



مُطہنی لکھنؤ

پیشہ وارانہ احمد



8/19/2014



آفتاب • آصف • فرحت
اور — انسپکٹر کامران مرزا سیرینز

ناول نمبر ۳۸۳

مسٹری بھرتا میرے

استیاق احمد



حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ،
 حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جناب آقائے نامدار
 رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں ، آپ صلی اللہ
 علیہ وسلم سے ایک خادم مانگنے کو (یعنی غلام یا لونڈی
 خدمت کے لیے) ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، میرے
 پاس تو خادم نہیں ہے جو میں تجھ کو دوں۔ یہ سن کر وہ
 لوٹ آئیں ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اُن کے
 پاس آئے اور فرمایا ، جو تم نے مانگا تھا (یعنی خادم) وہ
 تم کو زیادہ پسند ہے یا جو اس سے بہتر ہے۔ حضرت علی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا ، یوں کہو ، نہیں مجھے
 وہ زیادہ پسند ہے جو خادم سے بہتر ہے۔ انھوں نے ایسا
 ہی کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، یوں کہو ، اللہم
 رب السموات السبع آخر تک یعنی اے اللہ مالک ساتوں
 آسمان کے مالک اور مالک بڑے تحت کے ، اے پالنے

مجملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام ناول ————— مٹھی بھر ہیرے
 طابع ————— اشتیاق احمد
 خوش نویس ————— محمد سعید نامدار
 سرورق ————— محمد مقصود عنید
 قانونی مشیر ————— شمیم احمد ایڈووکیٹ
 مطبع ————— افضل شریف پرنٹرز
 قیمت ————— ۱۸ روپے
 سالانہ قیمت ایک ناول — ۲۵۰ روپے
 سالانہ قیمت دو ناول — ۴۵۰ روپے

اشتیاق پبلی کیشنز
 ۹/۱۲ نصیر آباد — مسلم پورہ — ساندہ کلاں — لاہور
 فون نمبر : 321537

والے ہر چیز کے، اُتارنے والے تورات اور انجیل اور
قرآن عظیم کے، تو سب سے پہلے ہے تیرے پہلے کوئی
چیز نہیں اور تو سب سے بعد ہے تیرے بعد کچھ نہیں اور
تو سب کے اوپر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو
پوشیدہ ہے تجھ سے زیادہ پوشیدہ کوئی چیز نہیں، ادا کر
دے قرض ہمارا اور غنی کر دے ہم کو فقیری سے —

سنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۲۰۷، حدیث نمبر ۷۲۱

○

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا مانگتے تھے، اللّٰهُمَّ انْفَعْنِی
اخیر تک، یعنی یا اللہ مجھ کو فائدہ دے اُس علم سے
جو تو نے مجھے سکھایا اور سکھلا دے مجھے وہ علم جو
فائدہ دے مجھ کو اور زیادہ کر علم میرا اور شکر ہے اللہ
کا ہر حال پر اور پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی، دوزخ
کے عذاب سے —

سنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۲۰۸، حدیث نمبر ۷۲۳

○

دو باتیں

السلام علیکم !

اس بار مجھے ایک عجیبہ خیال آیا۔ شکر کریں۔
مرضہ عجیبہ آیا۔ غریبہ نہیں آیا۔ یوں بھی
غریبوں کا آنا آج کل کوئی پسند کرتا ہے۔ کوئی
مال دار آدمی گھر میں آ جائے تو اس کے خوب
خاطر مدارقہ کہ جاتے ہیں۔ چاہے اس سے
کوئی فائدہ نہ پہنچتا ہو۔ نہ فائدہ پہنچنے کا کوئی
امکان نظر آتا ہو۔ لیکن پھر بھی اس کے
خاطر تواضع ضرور کہ جائے گی۔ گویا یہ خاطر
تواضع اس کے نہیں، اس کے دولت کے
ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس دولت میں سے
خاطر تواضع کرنے والے کے پہلے کچھ نہیں پڑتا۔
دوسرے طرف اگر کوئی غریب آ جائے۔ جو
اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے بھی تیار

ہو۔ لیکن اس کے خاطر تواضع ہرگز نہیں کے
جانتے۔ صرف اس لیے کہ وہ غریب ہے۔
گویا یہ سزا اسے اس کے غریبہ کے وجہ سے
دی جاتی ہے۔

لیجیہ بات کیا شروع کی تھی اور پڑ گیا کس
میں۔ میں یہ بات کر رہا تھا کہ اس بار
مجھے ایک عجیب خیال آیا۔ عجیب خیال یہ تھا
کہ آج اگر میں مر جاتا ہوں تو ایک منٹ
آپ نے یہ جملہ پڑھنے کے فوراً بعد یہ کہا ہو
گا کہ یہ کوئی عجیب بات ہے، یہ بات
تو ہر آدمی سے سوچتا ہے۔ آپ نے ٹھیک
سوچا۔ آپ بھی ایسی بات ضرور سوچتے ہوں
گے۔ لیکن مجھے جو خیال آیا۔ وہ ذرا ہلٹ
کر آیا ہے۔

لیجیہ! اب آپ کہ اٹھیں گے۔ اب
خیالات بھی ہٹ کر آنے لگے ہیں۔ کل
کو پتا نہیں کس طرح آئیں گے۔ ہے
کوئی ٹیکہ۔ اب آپ سے بتائیں۔
میں اب دو باتیں میں سے لے کر کیا

کروں۔ ٹیکہ والی باتیں آپ کو سنجیدہ
محسوس ہوتی ہیں اور آپ کہنے لگتے
ہیں۔ اب آپ کہ دو باتیں پڑھ
کر ہنسی نہیں آتی۔ پہلے بہت آیا
کرتی تھی۔ کہنے کو تو میں بھی اس
کے جواب میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ آپ
کے ہنسی کا قصور ہے، نہ کہ میرا۔ اگر
وہ میری فضول تریخ دو باتیں پر بھی
آ جاتے تو میں اسے روکے تو نہیں
لوں گا۔ نہ آئے تو بھی میں اس کا
کچھ بگاڑ نہیں سکوں گا۔ ثابت ہوا۔
قصور سارا آپ کے ہنسی کا ہے۔ نہ کہ میرا، یا
میری دو باتیں کا۔

بات ایک بار پھر گر گٹ کے طرح
پھسل گئی۔ لیجیہ! یہ بات بھی غلط
لکھ گیا۔ یا تو یہ لکھتا کہ مچھلی کے طرح
پھسل گئی۔ یا پھر لکھتا کہ گر گٹ کے طرح
رنگ بدل گئی تو کوئی بات بھی تھی۔
مشکل تو یہی ہے۔ اب دو باتیں میں

آج مجھے کوئی بات ہوتی نظر نہیں آتی
دھتے تیرے کہ۔ ابے کوٹھ کر دوں
گا کہ ذرا بھی ادھر سے ادھر نہ ہونے
پاؤں۔

ابے سنیے۔ خیال یہ آیا تھا کہ فرض
کیا۔ آج میرے مر جاتا ہوں۔ تو پتا
ہے۔ اپنے گھر والوں، عزیزوں، دوستوں
اور رشتے داروں کے لیے میرے فوراً ہی
مر جاؤں گا اور مر کر پُرانا ہو جاؤں
گا۔ پُرانا ہونے میں صرف چند دن
لگیں گے۔ لیکر اپنے قارئین کے لیے
میرے چھ سات ماہ تک مزید زندہ رہوں
گا۔ آپے ابے کہ اُٹھیں گے۔ وہ کیسے؟
تو اسے وہ کیسے کا جواب بالکل سامنے کہ
بات ہے۔ اسے کہ وضاحت کرنے کہ
کوئی ضرورت نہیں۔ لیکر اسے لیے
وضاحت ضروری ہے کہ بعض اوقات
بالکل سامنے کہ بات بھی ذہن میں
نہیں آتی۔ سامنے کہ بات دراصل یہ

ہے کہ میرے چھ ماہ ایڈوانس ہوں۔ یعنی
اگلے چھ ماہ تک کے ناول لکھ چکا ہوں۔
گویا میرے مرنے کے بعد بھی آپے چھ ماہ
تک میرے نئے ناول پڑھتے رہیں گے۔
تو کیسے۔ مرنے کے بعد بھی میرے آپے
کے لیے چھ ماہ تک زندہ رہوں گا یا نہیں؟

—————
سے

8/19/2014
Malik

خط

دروازے کی گھنٹی بجی۔ آفتاب، آصف اور فرحت کے کان کھڑے ہو گئے۔
 مجھے اس گھنٹی سے دشمنی کی بو آ رہی ہے۔ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔
 تم جاگتے میں خواب تو نہیں دیکھنے لگے۔ فرحت کے لہجے میں حیرت تھی۔
 ”یہاں خواب کا ذکر کہاں سے نکل آیا، وہ بھی جاگتے میں۔ آصف نے فرحت کی طرف دیکھا۔
 ”آخر گھنٹی سے دشمنی کی بو کیسے آ سکتی ہے؟“
 ”بھئی، آنے کو اس دُنیا میں کیا نہیں آ سکتا۔ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

”حد ہو گئی یعنی کہ۔ آصف جھلا اٹھا۔

”ہاں! وہ تو ویسے بھی ہو گئی ہے۔ کوئی بے چارہ

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں۔
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں۔
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا۔
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔
- اگر ایسے باتو سے کہنے لگے ہوتے تو آپ کا دل تو نالہ الماری میں رکھ دیتے۔ پہلے نماز پڑھ لیں۔
- کامرے سے غار ظہر لیں۔ پھر نالہ پڑھیں۔ شکر۔

اشتیاق احمد

دروازے پر کھڑا ہے اور تم باتیں بگھڑا رہے ہو۔
بیگم کامران مرزا نے تمللا کر کہا۔

”آپ یہ کیسے کر سکتی ہیں کہ وہ کوئی بے چارہ ہے؟
ہو سکتا ہے، وہ کوئی دولت مند ہو۔“ آصف بولا۔

”تو بے تم سے۔ اگر تم نے کچھ دیر اور دروازہ
نہ کھولا تو وہ یقیناً لے چارہ کھلائے گا۔“

”اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ تو پھر میں پہلے
دروازہ ہی کھول دوں۔“ باقی باتیں بعد میں کر لیں گے۔
آصف نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”باقی باتیں۔ کون سی باقی باتیں؟ آفتاب نے حیران
ہو کر کہا۔

”بھئی وہی دشمنی کی اور صلح کی باتیں۔ وہ بھی گھنٹی کی
آواز سے۔“

”اوہ ہاں۔ بالکل بالکل۔“ آفتاب خوش ہو گیا۔

آصف منہ بناتے ہوئے دروازے تک پہنچا۔ چٹنی
گرا کر دروازہ کھولا تو ایک نوجوان آدمی پر نظر پڑی۔
اس کے چہرے پر شرم کے آثار تھے، جیسے دروازے
کی گھنٹی بجا کر بہت بے شرمی کا کام کیا ہو۔ دُبل پتلا
اور لمبا سا آدمی تھا۔

”جی۔ فرمائیے۔“ آصف بولا۔

”یہ انپکٹر کامران مرزا کا گھر ہے جناب؟ اس نے
قدرے گھبرا کر کہا۔

”ہے تو سہی۔ تو پھر؟“

”یہ ایک خط ہے میرے پاس آپ لوگوں کا۔ کسی
نے مجھے تھمایا تھا اور درخواست کی تھی کہ یہ میں آپ
کے گھر تک پہنچا دوں۔ وہ جلدی میں تھے۔ میں نے کہا،

”یہ کون سا کام ہے۔ لائیے میں دے دیتا ہوں۔“

”آپ کا نام؟“ آصف مسکرایا۔

”جی۔ میرا نام۔ بھلا میرے نام کی یہاں کیا ضرورت
پیش آگئی؟ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ضرورت پیش آنے کی بھی آپ نے ایک ہی کمی۔

بھئی ضرورت تو کسی وقت بھی، کسی چیز کی بھی پیش آ
سکتی ہے۔“

”پتا نہیں۔ آپ کیا بات کر رہے ہیں۔ اگر خط دینے
کے لیے اپنا نام بتانا ضروری ہے تو پھر سن لیں، میرا
نام ریاض بھائی ہے۔“

”گویا آپ کا نام ریاض ہے۔ گھر والے یا دوست
وغیرہ آپ کو پیار سے ریاض بھائی کہتے ہیں۔“

”جی نہیں۔ میرا پورا نام ریاض بھائی ہے۔“

”اوہ اچھا۔ خیر۔ ہمیں کیا۔ اب آپ اپنا پتا بھی بتا دیں۔“ آصف بولا۔

آپ عجیب ہیں۔ اب میں پتا بھی بتاؤں۔“

”آخر آپ کا اس میں حرج کیا ہے؟“

”کیا پتا۔ کل آپ مجھے کسی چکر میں پھانس لیں۔ اس نے گھبرا کر کہا۔“

”یہ اندازہ آپ نے کس طرح لگایا؟ آصف مسکرایا۔“

”اس طرح کہ یہ گھر انپکٹر کا مرزا کا ہے۔“

”لیکن ہم لوگ غیر متعلق لوگوں کو ہرگز نہیں گھسیٹتے۔ آپ بے فکر رہیں۔“

”اچھی بات ہے۔ کچھ لیں پتا۔ ۹۰۱۔ اسلام ٹاؤن۔“

”یہ مختصر ترین پتا لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یاد

رہے گا۔ اور آپ کا نام بھی۔ ریاض بھائی یاد رہے

گا۔ اگر اس خط سے آپ کا صرف اتنا سا تعلق ہے

کہ یہ کسی نے آپ کو، ہم تک پہنچانے کے لیے دیا

ہے۔ تب تو آپ سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوگی۔

لیکن اگر آپ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ تو

پھر بہت جلد آپ سے ملاقات ہوگی۔ اور آپ

یہ بھی جان لیں، وہ ملاقات کوئی خوش گوار نہیں ہوگی۔“
آصف نے کہا۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔ اب میں سوچ رہا ہوں،

میں نے خط پکڑ کر غلطی کی تھی۔ اُس نے جھٹکا کر کہا۔

”اب تو ہو گئی غلطی۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے۔

خیر۔ آپ کا شکریہ۔“

یہ کہہ کر آصف نے خط اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

وہ جانے کے لیے مڑ گیا۔ آصف چند سیکنڈ تک اسے

جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس نے مڑ کر نہ دیکھا۔ آخر

آصف دروازہ بند کر کے ان کی طرف مڑا:

”تو بے تم سے۔ بلاوجہ اس بے چارے کو

پریشان کر دیا۔ اور وقت بھی ضائع کیا۔ میں دعوے

سے کہہ سکتا ہوں۔ اس کا خط سے کوئی تعلق نہیں ہو

گا۔“ آفتاب بولا۔

”نہیں ہو گا۔ اطمینان کر لینے میں کیا حرج ہے۔“ یہ

کہہ کر آصف فون کی طرف بڑھ گیا۔

”یہ کیا۔ اب تم کسی کو فون کرو گے۔ پہلے خط تو

دیکھ لیں۔“

”خط کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ آصف نے منہ بنایا۔“

"دیکھا فرحت۔ ہیرو بننے کی کوشش کر رہا ہے۔"
 "تو کرنے دو۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔" فرحت مسکرائی۔
 "تم۔ تو۔ اسی کا ساتھ دو گی۔"

"میں نے ساتھ دینے والی تو کوئی بات نہیں کی۔"
 اُسی وقت سلسلہ مل گیا۔ آصف نے چمک کر کہا:
 "السلام علیکم انکل شاہد۔ ۹۰۱ اسلام ٹاؤن۔ پتا کرنا
 ہے۔ اس پتے پر کوئی ریاض بھائی نام کا آدمی رہتا
 ہے۔ آپ خود تکلیف نہ کریں۔ کسی کو بھیج کر پتا
 کرا دیں۔"

"افسوس! میں کسی کو نہیں بھیج سکتا۔ سب انیکٹر شاہد
 کی آواز سنائی دی۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ آپ کسی کو نہیں بھیج سکتے؟"
 "ہاں! میں کسی کو نہیں بھیج سکتا۔ نہ خود جا سکتا
 ہوں۔ اس پتے پر کوئی ریاض بھائی نہیں رہتا۔
 کسی نے تمہیں اتنا بنایا ہے۔" شاہد نے ہنس کر کہا۔

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ کو یہاں بیٹھے
 کس طرح معلوم ہو گیا کہ اس پتے پر ریاض بھائی نام
 کا آدمی نہیں رہتا؟
 "اس لیے کہ ہمارے شہر میں اسلام ٹاؤن نام کی

کوئی آبادی سرے سے نہیں ہے۔ پورے شہر کی آبادیوں،
 محلوں اور سڑکوں کے نام مجھے یاد ہیں۔ اور پھر میرے سامنے
 شہر کا نقشہ موجود ہے۔ میں چند سیکنڈ میں دیکھ لیتا ہوں
 کہ نیا محلہ کس جگہ واقع ہوا ہے۔"
 "اوہ۔ انکل آپ کا شکریہ۔"

"اطلاعاً عرض ہے کہ میرا نام اوہ انکل نہیں ہے۔"
 "جج۔ جی ہاں۔ یہ تو ہے۔" آصف نے مسکرا کر کہا اور
 ریسپورڈ رکھ کر اُن کی طرف مڑا، پھر کھوٹے کھوٹے انداز
 میں بولا:

"نہیں بھئی۔ وہ ہمیں دھوکا دے گیا۔ شہر میں اسلام
 ٹاؤن نام کی کوئی آبادی نہیں ہے۔"
 "اوہ۔ خیر۔ پہلے تو اس خط کو دیکھنا چاہیے۔ اس
 سے تو اب ملاقات ہو ہی جائے گی۔"
 "ہاں! یہ تو ہے۔"

"وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اور لفاظ چاک کر کے
 خط نکالا۔ اس پر یہ الفاظ لکھے نظر آئے:
 "پیارے دوستو!

۹۰۱۔ اسلام ٹاؤن میں چلے جائیں۔ اس مکان میں
 ایک اتنا بڑا حزنانہ دفن ہے کہ آپ لوگ سوچ

نہ بھی نہیں سکتے۔ میں جانتا ہوں۔ آپ لوگوں کو خزانوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن ذرا سوچیے، قوم اور ملک کو اس وقت خزانے کی کتنی ضرورت ہے۔ ہمارا ملک ان دنوں بہت مشکلات کا شکار ہے۔ حکومت کا خزانہ قریب قریب خالی ہو چکا ہے۔ اور یہ سب غیر ملکی سازشوں کی بنیاد پر ہے۔ لہذا ضرورت ہے اس بات کی کہ وہ خزانہ اب ملک کے خزانے میں شامل ہو جائے۔ شکریہ! یہ۔ یہ کیا بات ہوئی؟ آصف نے کھوٹے کھوٹے انداز میں کہا۔

”اب یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے۔ خط لانے والے نے ہی یہ خط تحریر کیا ہے۔ ورنہ وہ اپنا پتا وہ کیوں بتاتا۔ جو خط کے اندر لکھا ہوا ہے۔ دوسری عجیب بات یہ کہ انکل شاہد کا کہنا ہے کہ اس شہر میں اسلام ٹاؤن نام کی کوئی آبادی نہیں ہے۔ لیکن اس خط کی رو سے اس نام کی کوئی آبادی موجود ہے۔ ایک منٹ! آصف نے کہا اور پھر فون کے پاس پہنچ گیا۔ ایک بار پھر اس نے نمبر ڈائل کیے اور لولا:

”السلام علیکم انکل۔ میں ایک بار پھر آپ کو زحمت

دے رہا ہوں۔ آپ ذرا پھر اطمینان کر لیں۔ ہمارا خیال ہے۔ شہر میں اسلام ٹاؤن نام کی کوئی آبادی موجود ہے۔

”نہیں۔ بالکل نہیں۔“

”لیکن انکل ہو سکتا ہے۔ کوئی بالکل نئی آبادی بنی ہو اور آپ کو ابھی اس کا علم نہ ہو۔“

”اچھی بات ہے۔ میں ابھی مینوسپل کارپوریشن کے چیف سے معلوم کرتا ہوں۔ ہولڈ کرو۔“

دوسرے فون پر نمبر ڈائل کرنے کی آواز اُبھرنے لگی، پھر سب انیکٹر شاہد چیف سے بات کرنے لگا۔ آخر ریسپور میں اس کی آواز سنائی دی:

”نہیں بھئی۔ تم لوگوں کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نام کی کوئی آبادی پورے شہر میں نہیں ہے، نہ کبھی تھی۔ مستقبل میں کسی آبادی کا یہ نام رکھ دیا جائے تو اور بات ہے۔“

”عجیب بات ہے۔“

”بات کیا ہے؟ تم نے اب تک یہ تو بتایا ہی نہیں۔“

آصف نے جلدی جلدی بات بتا دی۔ شاہد سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے کہا:

”اس بارے میں انیکٹر صاحب ہی تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔“
سب انیکٹر شاہد نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ ہم ان سے بھی بات کر لیتے ہیں۔ فون کا ریسپور انہیں دے دیں۔“

”اس وقت وہ دفتر میں نہیں ہیں۔ آئی جی صاحب کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔ جونہی آئے، میں فون کرا دوں گا۔“
”بہت بہت شکریہ اُنکل۔“ اس نے کہا اور ریسپور رکھ کر اُن کی طرف مڑا :

”کوئی آبادی یا محلہ اس نام کا پورے شہر میں نہیں ہے۔ اس نے بلا وجہ ہمیں اُتو بنایا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اُتو بنانے کی اسے ضرورت کیا تھی؟“
”بات دراصل یہ ہے کہ اُتو بنانے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ بلا ضرورت ہی بنا لیے جاتے ہیں اُتو تو۔“
آفتاب مسکرایا۔

”لیکن میرا دل کہہ رہا ہے۔ یہ معاملہ صرف اُتو بنانے کا نہیں ہے۔“ فرحت بڑبڑاتی۔

”اب تم اس میں کوئی گھماؤ پھراؤ نہ نکال لینا۔“ آفتاب نے چونک کر کہا۔

”ہو سکتا ہے، یہ بات ٹھیک ہو کہ شہر میں اسلام ٹاؤن

نام کی کوئی بستی نہ ہو، ہو سکتا ہے۔ پہلے بھی کبھی یہ نام نہ رہا ہو۔ لیکن مستقبل میں تو رکھا جا سکتا ہے یہ نام۔“

”کیا مطلب۔ مستقبل میں رکھے جانے والے نام کو بھلا کوئی آج کیوں استعمال کرے گا اور ایسا کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟“

”یہ تو سوچنا پڑے گا۔“
”کم بخت بلا وجہ ہمیں الجھن میں مبتلا کر گیا۔ فرحت نے دانت پیسے۔“

”عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ آصف نے چونک کر ریسپور اُٹھایا :

”ہیلو۔ معاف کیجیے گا جناب۔ ریاض بھائی بات کر رہا ہوں۔“

”اوہ۔ تہ۔ تم۔ یہ کیا بد تمیزی ہے؟ آصف نے چلا کر کہا۔

”بد تمیزی۔ نہیں تو۔ میں نے تو آپ لوگوں کے ساتھ کوئی بد تمیزی نہیں کی۔“

”وہ خط آپ نے خود لکھا تھا۔ اور جھوٹ بول کر ہمیں دیا ہے۔“

”چلیے مان لیا۔ پھر؟“

”اور یہ کہ آپ نے ہمیں آؤ بنانے کی کوشش کی ہے، اس پورے شہر میں اسلام ٹاؤن نام کی کوئی آبادی نہیں ہے۔“
”اور میں کہتا ہوں آبادی ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے کے نقشے میں دیکھیں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسور رکھ دیا گیا۔ آصف کا منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے ریسور رکھ کر ان کی طرف دیکھا۔ اور پھر کانپتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

بہت خوب

”ہیلو انکل شاہد۔ مجھے افسوس ہے۔ میں ایک بار پھر آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔“
”کوئی بات نہیں۔ اب کیا ہوا، یہ بتاؤ؟“ شاہد نے ہنس کر کہا۔

”آپ کو ذرا تکلیف کرنا پڑے گی۔“

”کہو۔ کیا معاملہ ہے؟“
”پچاس سال پرانا شہر کا نقشہ نکلوانا پڑے گا۔ اس نا معلوم شخص کا کہنا ہے کہ پچاس سال پہلے کے نقشے میں اسلام ٹاؤن موجود ہے۔“

”اوہو اچھا۔ تو پھر اسے موجودہ نام دے دینا چاہیے تھا۔ اتنا لمبا چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی؟“
”یہ تو وہی بتائے گا کہ کیا ضرورت تھی۔ ہم تو فی الحال وہی کرنے پر مجبور ہیں۔ جو وہ چاہتا ہے۔“

کم بخت ہمیں انگلیوں پر نچا رہا ہے۔

”کوئی بات نہیں۔ گرمی کھانے کی ضرورت نہیں۔ میں ابھی پچاس سال پرانا نقشہ نکلوں گا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

وہ انتظار کرنے لگے۔ انتظار کرنے کے سوا کچھ بھی کیا سکتے تھے۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ آصف نے ریسیور اٹھایا تو انسپٹر کامران مرزا کی آواز سنائی دی۔ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے:

”سنا ہے۔ کوئی تمہیں اُتو بنا گیا۔“

”ابھی تک اس بات کا فیصلہ نہیں ہو سکا نکل۔“

”کس بات کا؟“

”یہ کہ اس نے ہمیں اُتو بنایا ہے یا نہیں۔ ابھی اس

بات کا امکان ہے کہ اس کی بات درست ہو۔“

”خیر خیر۔ ذرا مجھے اس خط کے الفاظ سناؤ۔ اور ہاں! اس شخص کا حلیہ تم نے شاید کو بتایا؟“

”جی نہیں تو۔“

”یہ تمہاری غلطی ہے۔ پہلی ضرورت اس بات کی تھی۔“

”ہاں واقعی۔ خیر، ہم اب آپ کو حلیہ نوٹ کروا دیتے ہیں۔ پہلے آپ خط کے الفاظ نوٹ کر لیں۔ اس

نے کہا اور خط پڑھ کر سنا دیا، پھر حلیہ بتانے لگا:

”نوجوان آدمی تھا۔ رنگ صاف ستھرا۔ ناک نوکیلی اور لمبی۔ بلکہ کافی لمبی۔ چہرہ لمبوتر۔ بال سنہری۔ آنکھیں نیلی۔“

”بس اتنا ہی کافی ہے۔ اگر یہ حلیہ شاہد کے ریکارڈ میں موجود ہوا تو پھر یہ معاملہ جلد ختم ہونے کی امید ہے۔“

انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ وہ انتظار کرنے لگے۔ حیرت اور الجھن اس معاملے میں پیدا ہو چکی تھی۔ ریاض بھائی کا چہرہ بار بار آنکھوں کے سامنے ناچ رہا تھا۔

”دیکھنے میں وہ بالکل سیدھا سادا لگتا تھا، لیکن نکلا چال باز۔“

آصف بولا۔

”سوال یہ ہے کہ اس اطلاع سے اُس کا مقصد کیا ہے؟“ فرحت نے کہا۔

”وہ خود وہ خزانہ حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوگا۔ ہمارے ذریعے نکلوں گا چاہتا ہے۔ آفتاب نے خیال پیش کیا۔“

”لیکن ہمارے ذریعے نکلوں گا اسے خزانہ کس طرح مل سکتا ہے بھلا؟“ فرحت بولی۔

”اس کے ذہن میں کوئی پلان تو ہوگا ہی۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔ آفتاب نے منہ بنایا۔“

جلد ہی گھنٹی بجی۔ آصف نے فوراً ریسور اٹھایا:

”بھئی یہ کیس تو بہت دل چپ ہو گیا۔“ انپکٹر کامران مرزا کی آواز سنائی دی۔
”جی۔ وہ کیسے؟“

”شاہد کی اطلاع غلط ثابت ہو گئی۔ پچاس سال پہلے اس شہر میں ایک آبادی اسلام ٹاؤن نام کی تھی۔“
”لیکن اس میں انکل شاہد کا کیا قصور انکل۔ ظاہر ہے، انہیں تو موجودہ نقشے کے مطابق ہی معلومات ہیں نا۔“

”ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر اب کیا خیال ہے؟“
”جو آپ فرمائیں۔“
”میرا خیال ہے۔ تم اس مکان کو تلاش نہیں کر سکو گے۔ مجھے ہی ساتھ چلنا پڑے گا۔“

”تو پھر آ جائیں۔“
”بلکہ میں تمہارے انکل کو بھی ساتھ لارہ ہوں۔“
”یہ تو اور بھی اچھی بات ہو گی۔“

وہ جلد ہی گھر پہنچ گئے۔ پُرانا نقشہ ان کے پاس تھا۔ نقشہ ان کے سامنے پھیلا دیا گیا،
”یہ مسئلہ بہت ٹیڑھا ہو گیا ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر کہا۔

”آخر کیسے؟“

”اور ریاض بھائی کوئی بے وقوف آدمی نہیں ہے۔ وہ بہت عقل مند ہے۔“

”آپ۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“
”یہ دیکھو۔ یہ نقشہ ہے پچاس سال پرانا۔ یہاں اسلام ٹاؤن موجود تھا۔ لیکن اب یہاں نیو ٹاؤن آباد ہے۔ تمام پرانے مکانات نئے بن چکے ہیں۔ اب ہمارے فرستوں کو بھی معلوم نہیں کہ ۹۰۱ نمبر مکان کہاں تھا۔“
”اوہ! ان کے منہ سے نکلا۔“

”ریاض بھائی کو بھی بالکل معلوم نہیں کہ ۹۰۱ نمبر مکان کہاں تھا اور اب اس کی جگہ کون سے نمبر کا مکان ہے، لہذا اس نے سوچا، کیوں نہ یہ کام ہمارے ذریعے لیا جائے۔ وہ بولے۔“

”سوال یہ ہے۔ کہ اگر کسی طرح ہم اس جگہ کو تلاش کر بھی لیتے ہیں۔ اور وہ خزانہ برآمد کر لیتے ہیں تو ریاض کو کیا فائدہ ہو گا؟“

”یہ بات بعد کی ہے۔ اس موقع پر وہ کھل کر سامنے آئے گا۔ تم فکر نہ کرو۔“

”گویا ہم اس کے لیے یہ کام کرنے پر مجبور ہیں۔“

آفتاب نے بُرا سامنہ بنایا۔

”ہاں ! اس لیے میں کہتا ہوں ، وہ بہت عقل مند ہے۔ اس نے اس کام کے لیے وہ لوگ چُنے ہیں، جو اس جگہ کو تلاش کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ اور بعد میں خزانہ لے جائے گا وہ۔“

”اسی بات پر تو میں حیران ہوں کہ وہ لے کس طرح جائے گا؟“ آفتاب نے کہا۔

”پتا نہیں۔ لیکن وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ خزانہ ملنے پر ہم اس کو سرکاری خزانے میں جمع کرانے کی کوشش کریں گے ، لیکن وہ ہمیں کامیاب نہیں ہونے دے گا۔“

”تب پھر ہم کیوں کوشش کریں؟“

”ہم کوشش کریں گے ، اپنے ملک اور قوم کے لیے۔ شاید وہ خزانہ ملک کے خزانے میں جمع ہو جائے۔“

”تو پھر چلیے۔ شروع کرتے ہیں یہ کام۔“ آصف نے بے چین ہو کر کہا۔

”یہ کام بہت مشکل ہے۔ ہمیں پوری تیاری کر کے گھر سے نکلنا چاہیے۔“ انھوں نے تیاری مکمل کی اور نیوٹاؤن پہنچے۔

اب یہاں کوئی بھی پرانا مکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ انپکٹر کامران مرزا کے اشارے پر آصف نے ایک دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا تو ایک اُدھڑ عمر آدمی باہر نکلا۔ انھوں نے اس سے پوچھا :

”آپ یہاں کب سے رہ رہے ہیں؟“

”دس سال سے۔ کیوں؟“ اس نے حیران ہو کر کہا۔

”ہم اس آبادی میں رہنے والے کسی بہت بوڑھے آدمی سے ملنا چاہتے ہیں ، ان سے کچھ معلومات حاصل کرنا ہیں، کیا آپ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرما سکتے ہیں؟“

”مجھے افسوس ہے ، میں ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔“

”خیر کوئی بات نہیں۔“

وہ ایک ایک دروازے پر دستک دیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ کوئی اتنا پرانا آدمی نہ مل سکا۔ یہاں تک کہ وہ ساری آبادی گھوم کر تھک گئے۔

”ہاں بھئی۔ اب بتاؤ۔ میں نے کہا تھا نا۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ جب تک ریاض بھائی خود ہماری مدد نہیں کریں گے ، اس وقت تک ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اب جب تک وہ فون نہیں کرتا ، ہم اس سے بات نہیں کرتے ، اس وقت تک اس کیس میں

کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم پوری آبادی تو اکھڑوانے سے رہے۔ کون ہمیں ایسا کرنے دے گا۔

ٹھیک ہے، انکل۔ آئیے چلیں۔

وہ تھکے ہارے گھر آ گئے۔ شہناز بیگم ان کی یہ

حالت دیکھ کر مسکرائیں اور بولیں :

”معلوم ہوتا ہے۔ بُری طرح ناکام ہوئے ہیں۔“

کوئی بات نہیں اتنی جان۔ اچھی طرح ناکام بھی تو ہم

ہوئے ہی رہتے ہیں۔ آفتاب مسکرایا۔

”ہاں جی۔ بالکل۔ وہ بولیں۔“

ابھی وہ شام کی چائے پی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی

بج اٹھی :

”آگیا ریاض بھائی کا فون۔“

”بڑی بے چینی ہے اس کے فون کی۔“ انیکٹر کامران

مرزا مسکرائے۔

”کیا کیا جائے۔ یہ کہہ کر آصف فون کی طرف پٹکا۔“

”نہیں آصف ! اس بار فون میں سُنوں گا۔ اس کی آواز

سب سنیں گے، لیکن بات صرف میں کروں گا۔ شاید !

تم بھی آواز کی طرف توجہ دینا۔“

”جی بہتر !“

”انھوں نے ریسپور اٹھا لیا اور سیٹ کا ایک بٹن دبا دیا۔ اب فون پر ہونے والی گفت گو سب سُن سکتے تھے : ”کیا رہا جی“

”بُری طرح ناکام رہے۔ دراصل اس سلسلے میں ہمیں

آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ آپ بے فکر ہو کر

ہمارے پاس آ جائیں۔ ہم مل کر اس خزانے کو تلاش

کریں گے۔ اور اگر خزانے پر آپ کا حق ہے۔ تو وہ آپ

کو مل جائے گا۔ ہم اس کو سرکاری خزانے میں

داخل نہیں کریں گے۔“

”آپ۔ آپ انیکٹر کامران مرزا ہیں؟“

”ہاں ! آپ گھبرائیں نہیں۔“

”نہیں۔ میں نہیں آ سکتا۔“

اگر آپ کو کوئی خوف ہے تو پھر کم از کم اس مکان

کے پُرانے ٹیکن کا نام بتادیں۔ یعنی پچاس سال پہلے

اس مکان میں کون رہتا تھا؟

”پچاس سال پہلے کون رہتا تھا۔ اس نے کھوئے کھوئے

انداز میں کہا۔“

”ہاں ! شاید یہ معلوم کرنے کے بعد ہم اس مکان کا

سُراخ لگا سکیں۔“

”افسوس! میں یہ بھی نہیں بتا سکتا۔ اس نے کہا اور

ریسیور رکھ دیا۔

”اگر وہ یہ نہیں بتا سکتا تو ہم بھی اس خزانے کے
سلسلے میں کوئی کوشش نہیں کر سکتے۔“ انپکٹر کامران مرزا نے
جھٹکا کر کہا۔

”بالکل ٹھیک انکل۔“ فرحت نے فوراً کہا۔

”لیکن یہ خزانہ ہمیشہ ہمارے ذہنوں میں چبھتا رہے

گا۔ آصف نے کہا۔

”ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟“

”لیکن سر۔ ہمارے پاس ایک اور ذریعہ ہے۔“ ایسے میں

شاہد بول اٹھا۔

”اور وہ کیا؟“

”آباد کاری کے محکمے سے اس آبادی کے تمام پرانے ریکارڈ
دیکھنے سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ۹۰۱ نمبر مکان کی جگہ
اب کون سا مکان ہے۔ بلکہ اُس وقت مکان کا مالک
کون تھا۔ یہ باتیں ہم محکمہ طور پر معلوم کر سکتے ہیں،
کیونکہ اتنا لمبا چوڑا ریکارڈ عام آدمی نہیں دیکھ سکتا۔ لہذا
اس نے ہمارا سہارا لیا ہے۔“

”تو ٹھیک ہے۔ تم اسی وقت جاؤ۔ اور یہ معلومات

حاصل کرنے کی کوشش کرو۔“ انھوں نے پرجوش انداز میں کہا۔

شاہد اُسی وقت چلا گیا۔ تین گھنٹے بعد اس کا فون
موصول ہوا۔ اس کی آواز میں جوش تھا۔

”سر۔ یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ ۹۰۱ نمبر مکان

کی جگہ اب کون سے نمبر کی کوٹھی بنی ہوئی ہے۔ اور

یہ بھی کہ اس مالک مکان کا نام کیا تھا۔“

”بہت خوب! فوراً آ جاؤ۔“ انپکٹر کامران مرزا نے

پرجوش انداز میں کہا۔

ضرورت

شاید صرف پندرہ منٹ بعد ان کے پاس پہنچ گیا :
 "اس وقت کوٹھی نمبر ۲۵ کے مالک کا نام سردار خان
 ہے۔ اس نے یہ جگہ یا پرانا مکان انوار بیگ نامی آدمی
 سے خریدا تھا۔"

"بہت خوب ! انوار بیگ کا پتا؟
 "افسوس ! اس کا پتا معلوم نہیں ہو سکا۔" سب انپکٹر
 شاید نے کہا۔

"خیر اتنا تو پتا چلا کہ خزانہ کس کوٹھی کے نیچے ہے۔
 آؤ چلیں۔ شام کا وقت ہے، اس وقت تو گھر کا مالک
 بھی مل جائے گا۔"

"لیکن وہ کیوں اپنی کوٹھی کا بیڑہ غرق کرائے گا بھلا؟
 آفتاب نے منہ بنایا۔
 "دیکھتے ہیں بھئی۔" انپکٹر کامران مرزا مکرانے۔

وہ اسی وقت نیوٹاؤن پہنچے۔ کوٹھی نمبر ۲۵ کے
 دروازے پر دتک دی گئی۔ اندر سے ایک نوجوان آدمی
 باہر نکلا اور مسکراتے ہوئے بولا :
 "جی فرمائیے۔"

"آپ سردار خان ہیں؟"

"جی نہیں ! میرے والد کا نام ہے۔"

"اوہ اچھا۔ ہمیں ان سے کام ہے۔"

"آئیے۔" اس نے کہا اور انہیں ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا،
 پھر ایک ادھیڑ عمر آدمی اندر داخل ہوا، اس کے چہرے
 پر حیرت تھی۔

"ہم ایک عجیب سے کام کے سلسلے میں آپ کے پاس
 آئے ہیں۔" انپکٹر کامران مرزا نے پریشان انداز میں کہا۔

"فرمائیے۔ کیا بات ہے؟"
 انھوں نے تفصیل کے سنائی۔ ان کے خاموش ہونے
 پر سردار خان نے انھیں کے عالم میں کہا :
 "گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میری کوٹھی کے تمام فرش
 اکھاڑ دیے جائیں۔ اور پھر وہاں کھدائی کی جائے۔"
 "جی ہاں ! بات تو یہی ہے۔"

"اور اگر میں اس کی اجازت نہ دوں۔ کیونکہ بہر حال اس

طرح ہم سب کو مصیبت پڑے گی۔ ہمارا بے تحاشا نقصان ہو گا۔

”آپ لوگوں کو کوئی مصیبت پیش نہیں آئے گی۔ آپ اوپر والی منزل پر شفٹ ہو جائیں گے۔ آپ کے تمام فرش اسی طرح بنوا کر دیے جائیں گے۔ آپ کا قطعاً کوئی نقصان نہیں ہو گا۔“

”لیکن مجھے فائدہ بھی کیا؟“

”اگر خزانہ ملا۔ تو اس میں سے کچھ حصہ آپ کو بھی دیا جائے گا۔ تعاون کے سلسلے میں۔“

”کچھ حصے سے آپ کی کیا مراد ہے؟“

”ایک آدھ ہیرا یا زیور قیمتی سا۔ وہ مسکرائے۔“

”بس۔ صرف اتنا حصہ۔“

”جی ہاں!“

”اور باقی سارا آپ ہڑپ کر جائیں گے۔“

”ہم تو اس میں سے ایک ذرہ بھی نہیں لیں گے۔ سب

کا سب سرکاری خزانے میں جمع کرا دیں گے۔“

”کیا مطلب؟“

”ہم یہ سب کچھ اپنے لیے نہیں۔ ملک کے لیے کر

رہے ہیں۔“

”اوہ۔ تو یہ بات ہے۔“

”ہاں جناب!“

”لیکن اس بات کی ضمانت کیا ہے۔ کہ آپ سارا خزانہ ملک کے خزانے میں شامل کر دیں گے اور خود کچھ نہیں رکھیں گے؟“

”یہاں سرکاری آفیسرز۔ اخباری رپورٹرز۔ آپ اور ہم، سب موجود ہوں گے۔ سب کے سامنے خزانے کی تفصیلات درج ہوں گی اور پھر اس کو مجوں کا توں جمع کرا دیا جائے گا۔“

”اچھی بات ہے۔ یونہی سہی۔ سوال یہ ہے کہ اگر میں اب بھی انکار کروں۔ اور یہ کہوں کہ میں کھدائی کی اجازت صرف اس صورت میں دوں گا، جب آپ مجھے چوتھائی حصہ دیں گے۔“

”جی نہیں۔ ہم آپ کی یہ شرط نہیں مانیں گے۔ اس صورت میں ہم سرکاری آرڈر لائیں گے اور آپ کو کوٹھی خالی کرنا پڑے گی۔“

”یہ اچھی زبردستی ہے۔“

”ملک اور قوم کے مفاد کے خلاف اگر کچھ لوگ اڑ جائیں تو ان کے ساتھ ایسا کرنا پڑتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ آپ سرکاری احکامات لے آئیں۔“

”کیا مطلب۔ گویا آپ اس کے بغیر ہمیں کمدانی نہیں کروانے دیں گے؟“ انپکٹر کامران مرزا چونکے۔
”جی نہیں۔ ہرگز نہیں۔“

”اچھی بات ہے۔ یونہی سی۔ لیکن اس صورت میں آپ کو قطعاً کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ حکومت آپ کے لیے ایک الگ کوٹھی کا انتظام کرے گی۔ اس میں آپ کو تمام سہولتیں ملیں گی۔ اور خزانے میں سے آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔“

”کوئی بات نہیں۔ اس نے کہا۔“

انہوں نے سردار خان کو گھور کر دیکھا اور پھر کوٹھی سے باہر نکل آئے۔

”آپ کو غصہ کرنے کی کیا ضرورت ہے ابا جان۔ سرکاری احکام لانے میں کیا دیر لگتی ہے۔“

”تم نہیں سمجھتے۔ یہ بوٹھا چال چلنے کے چکر میں ہے۔“
”کیا مطلب؟ آصف چونکا۔“

”یہ چاہتا ہے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر یہ خود ساری دولت حاصل کر لے۔“

”اوہ! کیا یہ ایسا کر سکتا ہے؟“

”کر تو نہیں سکتا، لیکن کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔“
وہ بولے۔

”ہوں، پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟“
”میں اسی وقت احکامات تیار کروانا ہوں جا کر۔ تم تینوں یہیں ڈیوٹی دو گے۔“

”آپ کا مطلب ہے۔ کوٹھی سے باہر؟ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔“

”کیوں۔ کیا ہوا؟“

”جی نہیں۔ ہوا تو کچھ بھی نہیں۔ بس ذرا کھڑے رہنا پڑے گا۔“

”تو کیا ہوا۔ ہمارا اور کام ہی کیا ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا نے کہا اور شاہد کو ساتھ لے کر چلے گئے۔

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس کوٹھی کے نیچے سے خزانہ ملا ہی نہیں؟ فرحت بڑبڑائی۔“

”ریاض بھائی کو ہمارا وقت برباد کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟ آصف نے اسے گھورا۔“

”ہو سکتا ہے۔ وہ کسی معاملے سے ہماری توجہ ہٹانا چاہتا ہو۔“ فرحت بولی۔

”اوہ۔ فرحت نے بات تو بڑے پتے کی کہی۔“

"لیکن ہم یہاں کتنی دیر تک اُلجھے رہیں گے۔ اور پھر اگر وہ سامنے نہ آتا تو ہم اس کے کسی معاملے کی طرف متوجہ کس طرح ہو جاتے؟"

"کیا خبر۔ وہ کوئی مجرم کرنے والا ہو۔ اور اس جرم کے سلسلے میں ہمارا اس کی طرف متوجہ ہونا لازمی ہو جاتا ہو۔ یہ اندازہ اس نے پہلے ہی لگا لیا ہو۔"

"ہوں۔ ساری ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ اگر نہیں ہو سکتی تو ایک بات۔ آفتاب نے جل کر کہا۔"

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ ہم کہیں بیٹھ کر اس کوٹھی کی نگرانی کریں۔ وہ سامنے ہی تو ایک عدد ہوٹل ہے۔ اس کی دیوار بھی شیشے کی ہے۔ اگر ہم وہاں بیٹھ جائیں تو کیا حرج ہے، کھڑے رہ کر ٹانگیں سکھانے سے تو بچ جائیں گے۔"

"بات معقول ہے۔ اور معقول بات کوئی بھی کہے، مان لینی چاہیے۔ فرحت مسکرائی۔"

"اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم پر بھی ٹانگوں کی فکر سوار ہے۔ آصف بولا۔"

"خیر فکر کی تو ایسی کوئی بات نہیں۔ اس پر تو ہم خود جب چاہیں سوار ہو سکتے ہیں۔ فرحت نے منہ بنایا۔"

"اچھا خیر۔ آؤ۔ آصف نے کہا اور ہوٹل کے دروازے کی طرف قدم اٹھانے لگا۔"

تینوں ایک میز کے گرد جا بیٹھے۔ نظریں اب بھی کوٹھی پر جمی تھیں۔ اسی وقت بیرا آدھکا۔ انھوں نے کچھ ہلکی پھلکی چیزیں منگوا لیں۔ اور ہاتھ منہ چلانے لگے۔

"معلوم ہوتا ہے۔ اس بار کسی خزانے کا بھوت ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے۔ آفتاب نے منہ بناتے ہوئے کہا۔"

"ویسے خزانے کا بھوت ہوتا بہت بُرا ہے۔ آصف نے کہا۔"

"اللہ ہر قسم کے بھوتوں سے بچائے۔"

"آپ۔ آپ لوگوں بھوتوں کی باتیں کر رہے ہیں۔ کسی نے کانپتی آواز میں کہا۔"

انھوں نے چونک کر دیکھا۔ ساتھ والی میز پر بیٹھے ہوئے ایک ادھیڑ عمر شخص کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔

"کیا آپ کو ڈر لگ رہا ہے؟ آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔"

"ہاں! میں بھوتوں سے بہت ڈرتا ہوں۔ اس نے گھبرا کر کہا۔"

”لیکن ہم بھوت نہیں ہیں۔“

”م۔ مجھے بھوتوں کی باتوں سے بھی بہت ڈر لگتا ہے۔“
”اچھی بات ہے۔ اب ہم بھوتوں کی باتیں نہیں کریں گے۔ چڑیلوں کی کر لیں گے۔“ آفتاب مسکرایا۔

”جی۔ کیا مطلب۔ اب آپ چڑیلوں کی باتیں کریں گے، کیا آپ بس اس قسم کی باتیں کر سکتے ہیں؟ اس نے بوکھلا کر کہا۔

”جی نہیں۔ کرنے کو تو ہم دنیا جہاں کی باتیں کر لیتے ہیں۔“ آصف نے کہا۔

”بلکہ ہم سے زیادہ باتیں کرنے کا ماہر تو آپ کو ڈھونڈنے نہیں ملے گا۔“ آفتاب نے کہا۔

”ڈھونڈے کیا۔ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا۔“ فرحت نے منہ بنایا۔

”پتا نہیں، آپ لوگ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ آج کل بھلا کوئی چراغ لے کر بھی کوئی چیز ڈھونڈتا ہے۔“ اس نے کہا۔

”تو پھر؟“

”ٹارپرچ لے کر۔“ اس نے آنکھیں نکالیں۔

”لیکن اب ہم محاورے کا کیا کریں؟ آفتاب بے چارگی

کے عالم میں بولا۔

”محاورے کا۔ کیا مطلب؟“

”بیجیے، اب آپ کو مطلب بھی بتانا پڑے گا۔ ویسے آپ ہیں دلچسپ آدمی۔ آپ کا نام کیا ہے؟“
”میں۔ یعنی کہ میں۔“ اس نے گھبرا کر کہا۔

”کیوں کیا ہوا۔ اس میں گھبرانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ آصف نے فوراً کہا۔

”ضرورت پیش آنے کی بھی تم نے ایک ہی کہی۔ بھی کسی بات میں بھی گھبرانے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”یاد تم تو چپ رہو۔“

”شش۔ شش۔“ فرحت کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! ہم جانتے ہیں، شش کا معنی ہے وہ مونث، ہمیں انگریزی پڑھانے کی ضرورت نہیں۔“

”ادھو۔ شش شش۔“

”اچھا۔ تم شش شش کا معنی پوچھ رہی ہو۔ بھی شش یعنی چھ اور شش معنی وہ لڑکی یا عورت۔ یعنی چھ وہ لڑکی۔“ آفتاب مسکرایا۔

”حد ہو گئی۔ فرحت نے جھلا کر کہا۔

”کیوں اس میں حد کیا ہو گئی اور کیسے ہو گئی۔ حد کی یہ مجال کہ ہو جائے۔ آفتاب جلدی جلدی بولا۔“

”جہاں تم موجود ہو۔ اور وہاں حد نہ ہو۔ ادھر دیکھو۔“

فرحت نے غرا کر کہا۔

اور دونوں کو جیسے ہوش آ گیا۔ ادھیڑ عمر آدمی کے چکر میں وہ اس کام کو بھولے جا رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا۔ سردار خان کی کوٹھی میں ایک سیاہ رنگ کی کار داخل ہو رہی تھی اور اس میں ایک وکیل بیٹھا تھا۔

کار اس کا ڈرائیور چلا رہا تھا۔

”ہم نے دیکھ لیا۔ کوئی بات نہیں۔ اس قسم کی باتوں سے ڈرنے والے اے آسمان نہیں ہم۔ آفتاب نے گنگنا نے کے انداز میں کہا۔

”بڑے میاں آپ نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟“

”نام۔ نہیں تو۔ میں نے تو ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔“

”خیر کوئی بات نہیں۔ مہربانی فرما کر اب بتا دیں۔“

”شاید ہم پھر ملیں اور بات یہیں سے شروع کریں۔“

”کک۔ کیوں۔ کیا آپ جا رہے ہیں؟“

”ہاں! اب ہم کسی وقت بھی جا سکتے ہیں۔“

”کسی چکر میں لگتے ہو، برخوردار۔ اس نے ہنس کر کہا۔“

”جی بس۔ کیا بتائیں۔ یہ دُنیا ہی چکر میں ہے۔“

”میرا نام کالو متانہ ہے۔ عام طور پر اس ہوٹل میں مل جاتا ہوں۔ کسی دن پھر آئیں گے تو خوب باتیں کریں گے۔“

”اچھا۔ کیا واقعی۔“

وہ ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ عین اس وقت انپکٹر کامران مرزا کی گاڑی وہاں آ کر رکی۔ وہ شاہد کے ساتھ گاڑی سے اترے۔ اور ان کی طرف منہ کیے بغیر بولے:

”کیا رپورٹ ہے؟“

”سردار خان نے کہیں جانے کی کوشش نہیں کی، ورنہ ہم اس کا تعاقب کرتے۔ البتہ اس نے اپنے وکیل کو بلوایا ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔ آؤ۔ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”انھوں نے ایک مرتبہ پھر دُشک دی۔ سردار خان کے ملازم نے دروازہ کھولا اور پھر انھیں دیکھ کر کچھ کہے بغیر اندر کی طرف دوڑ گیا۔ جلد ہی سردار خان دروازے پر آئے اور سخت لہجے میں بولے:

”میں نے اپنے وکیل کے ذریعے یہ سٹے آرڈر لے لیا ہے۔ اب آپ میری کوٹھی کو نہیں کھدوا سکتے۔ یہ کہہ کر اس

نے عدالت کا حکم دکھایا۔

”اوہو اچھا۔ کمال کر دیا آپ نے۔ لیکن ذرا اسے بھی دیکھ لیجیے۔ بلکہ اپنے وکیل صاحب کو دکھا دیجیے۔“ انھوں نے بھی جواب میں ایک کاغذ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔

”یہ۔ یہ کیا ہے؟“

”یہ بھی عدالت کا حکم ہے۔ بلکہ سپریم کورٹ کا۔“
”کیا!!! وہ چلائے۔“

”میں جانتا تھا، آپ عدالت کے حکم کے ذریعے ہمیں روکنے کی کوشش کریں گے۔ لہذا میں نے سوچا، سپریم کورٹ کے آرڈر لائے جائیں۔ سپریم کورٹ کے آرڈر کی موجودگی میں ہائی کورٹ کے آرڈر پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ ٹھیک ہے نا۔ اگر معلوم نہیں تو اپنے وکیل سے پوچھ لیں۔“
وہ ان کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ وکیل سپریم کورٹ کے آرڈر دیکھ کر دھک سے رہ گیا:

”اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ تو میرے بھی گرو نکلتے۔“ وکیل نے منہ بنایا۔

”وکیل صاحب۔ آپ اپنے سیٹھ صاحب کو سمجھائیے ذرا۔ آخر اس میں ان کا کیا حرج ہے۔ جب ہر طرح

کی ذمہ داری حکومت نے لے لی ہے۔“
”اصل مسئلہ خزانے کا ہے۔ خراب۔“ وکیل نے سرد آہ بھری۔

”اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ مسٹر سردار خان آپ کے گھر والوں کے لیے یہ ایک کوٹھی موجود ہے۔ آپ لوگ وہاں چلے جائیں۔ ضروری سامان ساتھ لے لیں۔ ضروریات کی چیزیں آپ کو وہاں مل جائیں گی۔“
”لیکن میں یہاں موجود رہوں گا۔“

”ضرور کیوں نہیں۔ آپ شوق سے یہاں رہیں۔“
”کیا آپ کو یقین ہے۔ خزانہ ضرور ملے گا؟“ وکیل نے سوال کیا۔

”پتا نہیں۔ ہم تو ایک اطلاع پر کام کر رہے ہیں، اگر مل گیا تو حکومت کو بے تحاشا فائدہ ہوگا، نہ ملا تو حکومت کو کوئی خاص نقصان نہیں ہوگا۔“
”اچھی بات ہے۔“

اور پھر فرشوں کی کھدائی شروع ہوئی۔ مزدوری وغیرہ کے لیے انیکٹر کامران مرزا پہلے ہی انتظام کر کے چلے تھے۔ پہلے ایک کمرے کا فرش کھودا گیا۔ جب گڑھا بہت گہرا ہو گیا اور کچھ نہ ملا تو اس کو پُر کر دیا گیا اور دوسرے

کمرے کے فرش کی کھدائی شروع کی۔ اس طرح ایک ایک کر کے تمام کمروں کے فرش کھود ڈالے گئے۔ لیکن خزانے کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔

”یہ تو کچھ بھی نہ ہوا“ آفتاب نے کہا۔

”اب ہم کیا کر سکتے ہیں؟“

”ٹھیک ہے۔ محنت رائیگاں گئی۔ تمام فرش مرمت کرا دو۔ انپکٹر کامران مرزا نے حکم دیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل آئے۔

”یہ۔ یہ کیا انکل۔ ہم نے تو سوچا بھی نہیں تھا۔ کہ خزانہ نہیں نکلے گا۔“ آصف نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

”تو اب سوچ لو۔ روکا کس نے ہے۔“ آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

”کیا سوچ لوں اب؟ آصف نے آنکھیں نکالیں۔

”یہ کہ خزانہ نہیں ملا۔“ آفتاب مسکرایا۔

”دماغ نہ چالو۔ آصف نے جھلا کر کہا۔

”میرا دماغ نہیں چل گیا کہ تمہارا دماغ چالو۔“ آفتاب

مسکرایا۔

”فرحت تم کس سوچ میں ہو؟“ انپکٹر کامران مرزا

نے کہا۔

”میں سوچ رہی ہوں۔ جب خزانہ نہیں ملا تو سردار خان کے چہرے پر جوش کے آثار طاری ہو گئے تھے۔“

”کیا مطلب؟“ انپکٹر کامران مرزا چونکے۔

”مطلب یہ کہ..... کوئی ایسی بات ہے۔ جو اسے معلوم ہے اور ہمیں نہیں۔“

”اوہ! تب تو ہمیں بھی وہ بات معلوم کرنا پڑے گی۔ خیر۔ اب کو خفیہ طور پر سردار خان کی کوٹھی میں داخل ہوں گے اور یہ دیکھیں گے کہ وہ کیا کرتا ہے۔“

”وہ کچھ بھی نہیں کر رہا ہو گا اباجان۔ فرحت کو دہم ہو گیا۔ وہ آرام سے سو رہا ہو گا۔“ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

”اگر وہ سو رہا ہو گا تو ہم بھی گھر آ کر سو جائیں گے، فکر نہ کرو۔“

وہ گھر آئے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی:

”السلام علیکم! انپکٹر کامران مرزا بات کر رہا ہوں۔“

”خوب آؤ۔ بنایا سردار خان نے آپ کو۔“ دوسری طرف

سے آواز سنائی دی۔

”اوہ مٹر ریاض بھائی۔ یہ آپ ہیں۔“ انپکٹر کامران مرزا

نے جلدی سے سیٹ کا بٹن دبا دیا۔ اب وہ سب آواز

سن سکتے تھے اور ایکس چینج والے اسی فون کا نمبر بھی بتا

کہتے تھے جس سے یہ کیا جا رہا تھا۔

”اوہ! تو آپ نے میری آواز پہچان لی۔“

”ہاں! کیا کہا تھا آپ نے۔ سردار خان بنے ہمیں
اُتو بنایا ہے۔“

”جی ہاں بالکل۔“

”لیکن کیسے؟“

”بس۔ یہ میں نہیں بتا سکتا۔ وہ ہنسا۔“

”مسٹر ریاض۔“ انپکٹر کامران مرزا نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

”جی فرمائیے۔“

”آپ یہاں آکر ہم سے کھل کر بات کر لیں۔ اس سلسلے

میں آپ کی جو معلومات ہوں۔ وہ ہمیں دے دیں۔ اس طرح

سب کے لیے آسانی ہو جائے گی۔ اور ہمیں یہ بھی بتا

دیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ اگر اس خزانے سے حصہ

چاہتے ہیں۔ تو ہم آپ کو ضرور کچھ دلا دیں گے۔ حکومت

سے تعاون کے سلسلے میں۔“

”حصہ۔ اس کے منہ سے نکلا۔“

”ہاں! کیوں۔ کیا آپ حصہ نہیں لینا چاہتے؟“ انپکٹر

کامران مرزا بولے۔

”جی نہیں۔ اچھا بس۔ اجازت۔ کہیں آپ کے خفیہ

فوس والے یہاں نہ آجائیں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے رسیور رکھ دیا۔

ایکس چینج والوں نے بتایا کہ فون ایک پبلک فون بوتھ سے
کیا جا رہا تھا۔

”حد ہو گئی۔ ایک تو یہ ریاض بھائی ہمیں نچائے دے

رہا ہے۔ آفتاب نے جھٹائے ہوئے انداز میں کہا۔

”کوئی اتنا نہیں۔ ہم اسے بھی دیکھ لیں گے۔“ انپکٹر

کامران مرزا نے کہا۔

رات کے گیارہ بجے وہ گھر سے روانہ ہوئے۔ اس

وقت انھوں نے شاہد کو نہیں بلایا تھا۔ ماتحتوں کو بے آرام

کرنا انھیں پسند نہیں تھا۔ چاروں کو ٹھی سے کچھ فاصلے

پر ہی اتر گئے۔

”آفتاب! تیار ہو جاؤ۔ اب تھلا کام شروع ہوتا

ہے۔“ فرحت ہنسی۔

”جی ہاں! وہ تو مجھے معلوم ہی ہے۔ اس نے کہا۔

وہ کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف آئے ہی تھے کہ دھک

سے رہ گئے۔

کون آ رہا ہے

وہاں ایک لالٹین روشن تھی۔ دو آدمی کدالیں لیے زمین کی کھدائی کر رہے تھے۔ کوٹھی کی پچھلی دیوار کی عین جڑ میں۔ ان میں سے ایک کی آواز سنائی دی :
"لیکن سردار خان۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ساری کوٹھی کے نیچے تو خزانہ ملا نہیں اور یہاں مل جائے گا۔"
"آپ نہیں جانتے وکیل صاحب۔ راز کی یہ بات صرف مجھے معلوم ہے اور کسی کو نہیں۔"
"اور وہ راز کی بات کیا ہے؟"

"جب میں نے یہ پرانا مکان خریدا تھا نا۔ اور اس پر کوٹھی تعمیر کرانے کا پروگرام بنایا تھا تو کوٹھی کا نقشہ کچھ اس طرح بنا کہ زمین کا یہ حصہ شامل نہ ہو سکا۔ اگر شامل کرتے تو ساری کوٹھی ٹیڑھی بنتی۔ لہذا میں

نے اس حصے کو چھوڑ دیا۔ اور اس پر باغیچہ بنوا دیا۔ اس کے گرد چار دیواری بھی نہیں بنوائی۔ تاکہ مجھے کے بچے کھیل کود سکیں۔ مجھے بچے بہت اچھے لگتے ہیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ کو بچے اچھے لگتے ہیں۔ لیکن۔ اگر وکیل کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا اگر کیا؟"
"اگر ہمیں خزانہ مل گیا تو ہم اس کو ہضم کس طرح کریں گے۔"
"اس سلسلے میں ہم بعد میں بات کریں گے۔"
"ہم دونوں کو کھدائی کی عادت نہیں۔ ہم تو بہت جلد تھک جائیں گے۔"
"کیا کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس راز میں کسی کو بھی شریک نہیں کر سکتے۔"

"مجھے تو شامل کر ہی لیا آپ نے۔"
"کسی نہ کسی کو تو کرنا پڑتا۔ آپ تو وکیل ہیں۔ کوئی مشورہ ہی دیں گے بچنے کا۔"
"دونوں نے کھدائی شروع کر دی۔ وہ پیچھے ہٹ آئے۔ یہ ہے دولت کا لالچ۔ ایک وکیل اور ایک سیدھے بھی کھدائی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جو کام انھوں نے

کبھی خواب میں بھی نہیں کیا ہو گا۔ وہ کرنے لگ گئے۔
انپکٹر کامران مرزا سکرارتے۔

"چلیے۔ ہمیں تو اس میں فائدہ ہے۔ کھدائی سے بھی
پنج گئے اور دوسری الجھنوں سے بھی۔ جب انھیں خزانہ
مل جائے گا۔ تو ہم ان کے سروں پر پنج جائیں گے۔"
"اور اس وقت ان کی حالت دیکھنے کے قابل ہوگی۔"

"نہ جانے کیا بات ہے۔ مجھے اب تک یقین
نہیں کہ خزانہ مل جائے گا۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ
نہیں ملے گا۔"

"دیکھا جائے گا۔ اصل مسئلہ ہے ریاض بھائی کا۔
اب تک اس کا کردار سب سے زیادہ پُر اسرار ہے۔"
وہ بڑبڑاتے۔

"شش۔ کچھ محسوس کیا؟ ایسے میں فرحت نے سرکوشی کی۔
"اس اندھیرے میں کس طرح کچھ محسوس کر سکتے ہیں۔"
آفتاب نے منہ بنایا۔

"بھلا سوچنے کا اندھیرے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"
آصف بڑبڑایا۔

"پتا نہیں۔ ہو ہی سکتا ہے۔ آفتاب بولا۔
اچھا کان نہ چالو۔ فرحت نے جھٹکا کر کہا۔

"کان کھانا محاورہ ہے۔ اور دماغ چاٹنا۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ہم کسی گہری سازش کا
شکار ہونے والے ہوں۔ کوئی بہت عجیب چکر معلوم
ہوتا ہے۔ یہ سب۔"

"میں کچھ محسوس کرنے کی بات کر رہی تھی۔ فرحت
نے گویا یاد دلایا۔

"اوہ ہاں! یہ تو ہم بھول ہی گئے۔ ہاں بتاؤ۔ کیا
محسوس کیا تم نے؟"

"کبھی تم بھی کچھ محسوس کر لیا کرو۔"
"اچھی بات ہے۔ آئندہ خیال رکھیں گے۔ آفتاب
نے فوراً کہا۔

"کس بات کا خیال؟ انپکٹر کامران مرزا بے خیالی
کے عالم میں بولے۔

"اس بات کا کہ۔ ارے ہائیں۔ کیا بات تھی؟"
"اس بات کا کہ ہم بھی کچھ محسوس کر لیا کریں۔"

"اوہ ہاں۔ لیکن محسوس کرنے کا کیا ہے۔ کچھ بھی
محسوس کیا جا سکتا ہے۔"

"ارے میاں جاؤ۔ اب ہر بات میں یہ کہنے لگے ہیں۔"
آصف نے جھٹکا کر کہا۔

"میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ یہاں ہمارے علاوہ بھی کوئی ہے۔"

"یہ کون سا راز کی بات ہے۔ وہ دونوں نہ صرف موجود ہیں۔ بلکہ کھدائی بھی کر رہے ہیں۔"

"ادھو! میں ان کی بات نہیں کر رہی۔"

"اوہ۔ تمہارا مطلب ہے۔ ان کے علاوہ یہاں کوئی ہمارے آس پاس موجود ہے۔"

"ہاں! میں یہی بات کہنے والی تھی۔"

"یہ تمہاری خاص عادت ہے۔ بس صرف کہنے والی تھی تک رہتی ہو۔ کہ نہیں ڈالتیں۔ آفتاب نے جھلا کر کہا۔"

"خیر۔ فرحت تم بتاؤ۔"

"آس پاس کسی درخت کے پیچھے کوئی چھپا ہے۔"

"تب ہم تو اس کی نظروں میں ہیں۔ وہ ہماری نظروں میں نہیں ہے۔"

"ہاں! اور یہ صورت حال کافی حد تک خطرناک ہے۔"

"ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں نشانہ بنا ڈالے۔"

"بالکل ٹھیک۔ ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔"

یہ باتیں وہ بہت دبی آواز میں کر رہے تھے۔

اچانک وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ اور ہٹتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سردار خان اور اس کا وکیل سیالوں کی مانند نظر آنے لگے۔

"تم اس طرف سرک جاؤ۔ تم اس طرف اور تم اس۔ میں اس طرف۔" انپکٹر کامران مرزا نے انھیں اشاروں میں ہدایات دیں۔

"لگ۔ کہیں ہم ویسے ہی نہ سرک جائیں۔ آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں سرگوشی کی۔

"یاد چپ رہو۔ سرگوشی کے بھی پتہ نہ ہوتے ہیں۔ آصف نے جھلا کر کہا۔

"اچھا! یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی۔ آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھی باتیں پھر کریں گے۔ پہلے یہ معلوم کر لیں۔

وہ کہاں ہے خیال رہے۔ جس کسی کو بھی وہ نظر آجائے،

ہلکے سُروں میں آواز نکال کر اشارہ کر دے۔ باقی لوگ

بھی اس تک پہنچ جائیں گے اور پھر دیکھ لیا جائے گا

کہ وہ کون ہے اور اس کا کیا کرنا ہے۔"

"او کے۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا اور مختلف سمتوں میں ہٹتے چلے گئے۔ اب وہ چار سمتوں سے اس طرف

سرکنے لگے۔ جہاں کھدائی ہو رہی تھی۔ لیکن ایک ایک درخت کا جائزہ لیتے ہوئے۔ اس کوٹھی کے بھلے ہتھ کی طرف درخت تھے اور درختوں کا یہ سلسلہ کسی جنگل کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ اور وہ جو کوئی بھی تھا۔ کسی درخت کی اوٹ میں تھا۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ اچانک انھوں نے آواز کی ہلکی سی آواز سنی۔ وہ چونک اٹھے۔ اور آواز کی طرف سرکنے لگے۔ آخر وہ انپکٹر کامران مرزا کے پاس پہنچ گئے۔

”آواز آپ نے نکالی تھی؟“

”اور کیا کرتا۔ انھوں نے منہ بنایا۔“

”کیوں۔ خیر تو ہے؟“

”وہ حضرت غائب ہو گئے۔ یہاں موجود تھے، اس درخت کے پاس۔“

”کیا مطلب۔ غائب ہو گئے؟“

”ہاں! وہ بہت چالاک ہے۔ اس نے ہمیں پیچھے

سرکتے دیکھ لیا تھا۔ اور یہ سمجھ گیا تھا کہ ہم اس کے چکر ہیں۔ بس وہ نکل گیا۔“

”لا حول ولا قوۃ! یہ تو پھر کچھ نہ ہوا۔“

”کوئی بات نہیں۔ آؤ۔ ان دونوں پر توجہ دیں۔ جو

بے چارے کھدائی میں لگے ہوئے ہیں۔“

”وہ پھر ان دونوں کی طرف بڑھنے لگے۔ دونوں باری باری کدال چلا رہے۔ تھیں اور بُری طرح ہانپ رہے تھے۔“

”میرا خیال ہے آبا جان۔ یہ کام ان کے بس کا نہیں، کیوں نہ ہم ان کی مدد کریں۔“

”نہیں۔ ابھی ہم دخل نہیں دیں گے۔ ویسے ایک

بات طے ہے۔ ان دونوں کو خزانے کے بارے میں ابھی

معلوم ہوا ہے، پہلے سے کچھ معلوم نہیں تھا۔ انپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”یہ بات تو ہے۔ آصف بولا۔“

”اور معلوم ہوتے ہی یہ خزانہ حاصل کرنے کے چکر

میں پڑ گئے۔ حالانکہ یہ کوئی غریب آدمی نہیں ہیں۔“

”دونوں مال دار ہیں، لیکن دولت نے انھیں کدالیں چلانے

پر مجبور کر دیا۔ یہ دولت بھی کیا چیز ہے۔“ فرحت

نے جلدی جلدی کہا۔

”وہ اس قدر دبی آواز میں باتیں کر رہے تھے کہ ان

دونوں تک بالکل آواز نہیں جا رہی تھی۔“

”آخر ہم کب تک انتظار کریں گے۔ یہ کام تو بہت

لمبا ہے۔ آفتاب نے تنگ آ کر کہا۔“

”ٹھیک ہے۔ تم گھر چلے جاؤ۔ میں تمہیں بتا دوں گا کہ کھدائی کا کیا نتیجہ نکلا تھا۔“
”میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آصف نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”اور میں بھی نہیں۔“ فرحت بولی۔
”بس تو پھر میں اکیلا جا کر کیا کروں گا۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔
”میرے خیال میں یہاں جو شخص چھپا ہوا تھا۔ وہ ریاض بھائی کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ آصف نے خیال ظاہر کیا۔

”تم اس کا لو متانہ کو بھول رہے ہو۔“ فرحت نے جلدی سے کہا۔

”لگ۔“ کا لو متانہ۔ یہ کون صاحب ہیں؟ انیکٹر کامران مرزا کے لہجے میں حیرت تھی۔

”سردار خان کی کوٹھی کی نگرانی کرتے ہوئے ہم سامنے ایک ہوٹل میں جا بیٹھے تھے۔ وہیں وہ بھی موجود تھا اور زبردستی ہم سے باتیں کرنے لگ گیا تھا۔“ فرحت نے کہا۔

”کیا اس کا حلیہ ریاض بھائی جیسا تھا؟ انیکٹر کامران مرزا

نے پوچھا۔
”نہیں انکل۔ بالکل مختلف۔ ریاض بھائی ایک نوجوان آدمی ہے۔ جب کہ کا لو متانہ ادھیڑ عمر تھا۔“
”بھئی میک آپ تو نوجوان کو بوڑھا بنا دیتا ہے۔“ انیکٹر

کامران مرزا بولی۔
”پتا نہیں کیا بات ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں۔ یہاں سے کوئی خزانہ نہیں ملے گا۔“ آفتاب نے کہا۔
”محسوس کرنے کا کیا ہے۔ محسوس تو تم کچھ بھی کر سکتے ہو۔“ فرحت مسکرائی۔
”آفتاب نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ اچانک انھوں نے سردار خان کی آواز سنی :

”ارے یہ کیا!“
ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ ادھر دیکھنے لگے۔
”کیا ہے؟“ وکیل کی آواز ابھری۔
”کدال لوہے کی کسی چیز سے ٹکرائی ہے۔ آپ نے آواز نہیں سنی؟“

”نہیں۔ تب تو ہم نے مار لیا میدان۔“
”ہاں بالکل!“

اب دونوں جلدی جلدی کدال چلانے لگے۔ گڑھے

کے گرد جمع ہونے والی مٹی کی اونچائی بتا رہی تھی کہ اب
 تک کافی گہرا گڑھا کھودا جا چکا ہے۔
 ”وہ مارا۔ مم۔ میں نے اس کا سرا دیکھ لیا ہے۔“
 سردار خان نے چلا کر کہا۔
 ”لگ۔ کس کا؟“
 ”دو۔ دیگ کا۔ یہاں تو خزانے کی پوری ایک دیگ
 موجود ہے۔“

”اوہ اوہ میرے خدا۔ وکیل نے کانپتی آواز میں کہا۔
 ادھر ان کے جسموں میں بھی سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ
 سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ دونوں اس قدر جلد خزانہ
 تلاش کر لیں گے۔
 ”بھئی کمال ہے۔ انھیں تو خزانہ مل گیا۔“ انکسٹر کامران
 مرزا بڑ بڑائے۔

”بے چارہ ریاض بھائی۔“
 ”ہاں واقعی، اسے بھی اس موقع پر موجود ہونا چاہیے تھا۔“
 ”اور میں یہاں موجود ہوں۔ انھوں نے ایک سرگوشی سنی۔
 چونک کر مڑے تو ریاض بھائی کو اپنے پیچھے پایا۔
 ”آپ کہاں چلے گئے تھے؟“
 ”میں ڈر گیا تھا کہ آپ نہ جانے میرے ساتھ کیا کر

بیٹھیں۔ اس لیے میں دور نکل گیا تھا۔“
 ”اچھا۔ اب آئیے۔ انھوں نے کہا اور آگے بڑھتے چلے
 گئے۔ رات کی تاریکی میں جب قدموں کی آواز گونجی تو
 سردار خان کی لرزتی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:
 ”یہ۔ یہ۔ یہ کون آ رہا ہے؟“

ارے یہ کیا؟

چند سیکنڈ تک خاموشی طاری رہی... پھر آصفت نے کہا:
 "آ رہا ہے نہیں... آ رہے ہیں... آپ ایک آدمی اور کئی
 آدمیوں کی آواز میں فرق نہیں کر سکتے کیا؟"
 "لگ... کون... یہ... یہ... کون لوگ یہاں آئے گئے؟" مرزا
 خان نے تمکلا کر کہا۔
 "جن لوگوں کو آنا چاہیے تھا۔ انسپکٹر کامران مرزا نے
 سکرا کر کہا۔

"آ... آ... آپ۔" وکیل کے منہ سے نکلا۔
 "تو آپ نے ہمیں اس وقت یہ بات نہیں بتائی تھی
 کہ اس کوٹھی میں زمین کا یہ حصہ بھی شامل تھا... میرا
 مطلب ہے... پرانے مکان کی زمین میں۔"
 دونوں نے کوئی جواب نہ دیا...
 "اب جب کہ خزانے کی دیگ مل گئی ہے... مشر ریاض

بھائی... آپ کیا کہتے ہیں؟

"میرا دعویٰ ہے کہ یہ خزانہ صرف اور صرف میرا ہے...
 یہ میرے باپ دادا کا خزانہ ہے... اس پر حق صرف میرا
 ہے اور میرے حق کے ہوتے ہوئے حکومت کے خزانہ
 میں اس خزانہ کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔"
 "اس سلسلہ میں آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟"

"اسلام ٹاؤن کے مکان نمبر ۹۰ میرے دادا کا تھا... ان
 کے مرنے کے بعد میرے والد کا رہا... لیکن انھوں نے
 مکان فروخت کر دیا... انھیں خزانہ کے بارے میں معلوم
 نہیں تھا... دادا جان مرنے سے پہلے سارا راز لکھ گئے تھے،
 لیکن وہ راز والد صاحب تک نہ پہنچ سکا۔"
 "لیکن کیوں؟" انسپکٹر کامران مرزا کے لہجے میں حیرت
 تھی۔

"اس طرح کہ والد صاحب اس وقت دوسرے شہر میں
 تھے... جب دادا جان فوت ہوئے... وہ مرنے سے پہلے
 کسی کو اس خزانے کے کاغذات کے بارے میں بتا بھی
 نہیں سکتے تھے... ورنہ وہ حاصل کر لیتا... لہذا وہ خاموشی
 سے مر گئے اور راز مکان میں ایک جگہ رکھا رہ گیا۔"
 "تب پھر... وہ آپ کو کس طرح مل گیا؟"

”والد صاحب نے جب مکان فروخت کیا تو اپنا سامان دوسرے مکان میں لے گئے... اس سامان میں وہ راز موجود تھا... جو میرے ہاتھ لگا... والد صاحب اس وقت مرنے کے قریب تھے... میں انہیں وہ کاغذات دکھا سکا... اس حالت میں انہیں خزانے کی بات کیا اچھی لگتی؟“

”لیکن آپ کے وادا کے پاس اس قدر مال دولت کہاں سے آگئی؟“

”انہوں نے ساری بات راز میں لکھی ہے... یہ تفصیل اس میں موجود ہے... آپ لوگ ان ساری تفصیلات کو پڑھ کر دیکھ لیں... اگر آپ اس پر میرا حق نہیں سمجھیں گے تو میں الگ ہٹ جاؤں گا... ویسے میں عدالت کے ذریعے اپنا حق منوا چکا ہوں... اور میرے پاس عدالت کا حکم موجود ہے کہ میں خزانے والی جگہ کی کھدائی کروا سکتا ہوں... لیکن میرا مسئلہ یہ تھا کہ مجھے اس جگہ کا سراغ نہیں مل رہا تھا... اس لیے میں نے اس معاملے میں آپ کو شریک کیا... کیوں کہ آپ لوگ تو سراغ لگانے کے ماہر ہیں اور دیکھ لیں... آپ نے سراغ لگا لیا... میرا کام آسان ہو گیا... اب میں اس پورے خزانے کا مالک ہوں... ہا ہا ہا... ریاض بھائی کا قہقہہ ملبا ہو گیا... وہ اس کے رکھنے کا

انتظار کرتے رہے... آخر آفتاب سے رہا نہ گیا:

”اس قہقہے کا کچھ حصہ بچا کر رکھ لیں... ہو سکتا ہے پھر ضرورت پڑ جائے۔“

اس کا قہقہہ یک دم رک گیا... اس نے آفتاب کو گھور کر دیکھا، پھر چلا کر بولا:

”اگر آپ کو اتنی دولت ملی ہوئی تو پھر میں دیکھتا آپ کو... قہقہے لگاتے لگاتے پاگل ہو جاتے آپ۔“

”نہیں! ہم ایک ہلکا سا قہقہہ بھی نہ لگاتے، اس لیے کہ ہمارے بنی کمیم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔“

”آپ کے کاغذات کو ہم دیکھیں گے اور عدالت کے فیصلے کو بھی... اگر اس خزانے پر واقعی آپ کا حق ہوا تو ہم یہ آپ کے حوالے کر دیں گے... لیکن ایک شرط پر: انسپکٹر کاروان مرزا نے آخری الفاظ عجیب سے انداز میں ادا کیے۔“

”شرط... کیسی شرط... یہ یہاں شرط کہاں سے آ کو دی... میرے پاس باقی کورٹ کا فیصلہ ہے۔“ اس نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

”دیکھیے جناب! شرط کا کیا ہے... کہیں سے بھی کو د سکتی ہے... آپ کام کی بات کہیں۔“

”اچھی بات ہے... شرط بتائیں؟“
 ”آپ کو سردار خان اور وکیل صاحب کو کھدائی کا معاوضہ
 دینا پڑے گا۔“

”یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... ہم آپ کے مزدور نظر آتے
 ہیں؟“ سردار خان نے چلا کر کہا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا... مطلب یہ ہے کہ محنت تو آپ
 کو کرنا پڑی ہے نا... لہذا خزانے میں سے ایک آدھ ہیرا تو
 آپ کو دیا ہی جا سکتا ہے؟“

”نہیں چاہیے ہمیں ایک آدھ ہیرا؟“ وکیل نے چلا کر کہا۔
 ”ہاں! انھیں تو سارا خزانہ چاہیے... بیٹھے بٹھائے... ہینگ
 لگے نہ پھنگڑی اور رنگ چوکھا آئے۔“ ریاض بھائی نے طنزیہ
 لہجے میں کہا۔

”ہم بھی عدالت میں جائیں گے؟“ وکیل بولا۔
 ”کیا کہا... ہم عدالت میں جا سکتے ہیں۔“ سردار خان کے
 لہجے میں حیرت تھی۔

”ہاں! کیوں نہیں... یہ خزانہ آپ کی خریدی ہوئی زمین
 کے نیچے سے ملا ہے... لہذا اس پر آپ کا حق ہے؟“
 ”بھئی واہ! تب تو مزا آ جائے گا؟“

”یہ ایک اور مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔“ انکپٹر کامران مرزا

مسکرائے۔

”ان مسئلوں میں بس یہی تو بری بات ہے۔ آفتاب نے
 فوراً کہا۔“

”تم چیپ نہیں رہ سکتے؟“

”آخر میں ہی کیوں چیپ رہوں؟“

”اس لیے کہ تم ہی بلا ضرورت بولتے ہو۔“ انکپٹر کامران مرزا
 نے جھلکا کر کہا... پھر ان کی طرف مڑے:

”ایک سوال اور ہے... ریاض بھائی! آپ کے دادا کے
 پاس اس قدر دولت کہاں سے آگئی؟“

”میرے پردادا مغلیہ حکومت کے کوئی بڑے عہدے دار
 تھے... شاید کسی دستہ کے سالار... جنگوں میں حصہ لیتے تھے،
 انھوں نے یہ خزانہ جمع کیا تھا... ان سے دادا کو ملا۔“

”لیکن دادا نے ساری زندگی بیٹے کو اس خزانے کے
 بارے میں کیوں نہیں بتایا... آخر اس خزانے کا فائدہ کیا
 ہے... اگر یہ اسی طرح زمین میں دفن چلا آئے۔“ انھوں
 نے کہا۔

”یہ ان کی عقل کی خرابی تھی... لیکن میں اس کو کام میں
 لاؤں گا... میں اس سے کارخانے بناؤں گا... اس طرح
 ملک اور قوم کو فائدہ ہوگا اور مجھے تو ہوگا ہی؟“

”وہ تو تب ہو گا نا جب ملے گا... اصل حق دار تو میرے
موتی سر دار خاں ہیں۔“

”اس کا فیصلہ عدالت کرے گی... اب ذرا ایک نظر ہم
بھی اس خزانے کو دیکھ لیں...“ انکپٹر کامران مرزا بولے۔
”ہم نے بھی ابھی کون سا اس کو دیکھا ہے... دیگ
نظر آئی ہے ابھی تو۔“

”جب دیگ نظر آگئی تو خزانہ نظر آنے میں کیا دیر
لگے گی... بس دیگ کا ڈھکنا ہی تو اٹھانا ہے۔“

انھوں نے گڑھے میں دیکھا... دیگ کا اوپر والا حصہ
واقعی نظر آ رہا تھا... اس پر ڈھکنا بھی تھا... لیکن
ڈھکنے کے اوپر ابھی مٹی موجود تھی... اور جب تک وہ
نہ ہٹائی جاتی... ڈھکنا نہیں اٹھ سکتا تھا...

”لایئے... آپ دونوں تو پہلے ہی تھک گئے ہیں...
اب باقی کام میں کر لیتا ہوں۔“ ریاض بھائی نے کہا۔
”نہیں! آپ نہیں... ہم کریں گے یہ کام... یہ خزانہ
ہمارا ہے۔“

”آپ کے پاس ابھی عدالت کا فیصلہ نہیں ہے... میرے
پاس ہے۔“

”ہاں! یہ بات تو ان کی ٹھیک ہے... لیکن مسٹر ریاض

بھائی... آپ ذرا اپنا عدالت کا فیصلہ دکھائیں گے۔“

”مضروریوں نہیں...“ اس نے کہا اور اندرونی جیب سے
ایک لفافہ نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا... لائیٹن کی روشنی
میں انھوں نے ان کاغذات کو پڑھا اور بولے:

”اس میں تو کوئی شک نہیں کہ عدالت کے فیصلے کی
رو سے یہ خزانہ آپ کا ہے... لیکن مسٹر سر دار خان سٹے
آرڈر دلا سکتے ہیں... اور ادھر ہم بھی ایک عدد سٹے آرڈر
دلائیں گے... لہذا آپ اس خزانے کو فی الحال اپنے قبضے
میں نہیں کر سکیں گے۔“

”کیا مطلب... آپ بھی سٹے آرڈر لائیں گے؟“ وکیل نے
حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! ہم یہ سٹے آرڈر لائیں گے... کہ جب تک ہم
اس بات کی تصدیق نہ کر لیں کہ یہ خزانہ واقعی ریاض
بھائی کے پردادا کا ہے... اس وقت تک یہ ان کے
قبضے میں نہ دیا جائے۔“

”بس ٹھیک ہے... ڈالنے رہیں رخنہ... اور نہ ملنے دیں
حق دار کو اس کا حق۔“ ریاض بھائی نے چیخ کر کہا۔
”آپ پریشان نہ ہوں... خزانہ اگر آپ کا حق ہے تو
وہ آپ کو مل کر رہے گا۔“ انکپٹر کامران مرزا بولے۔

یشش... شکریہ!

اب دو ہی صورتیں ہیں... یا تو ہم اس گڑھے کو پاٹ دیں... اور فیصلہ ہونے تک یہاں نگران مقرر کر دیں یا پھر خزانہ نکال لیا جائے... اور بطور امانت سرکاری تحویل میں رکھا جائے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے تجویز پیش کی... نہیں جناب... خزانہ یہیں رہے گا... گڑھے کو پُر کر دیا جائے... اور نگران مقرر کر دیے جائیں۔ وکیل نے کہا۔

لیکن ان کے نگرانوں کا کیا بھروسہ... رات کی تاریکی میں اگر انھوں نے نکال لیا؟

آپ لوگ بھی اپنا ایک آدمی یہاں مقرر کر دیں؟

اوہ... ہاں... اچھا ٹھیک ہے... ہمیں منظور ہے۔

تو پھر ٹھیک ہے... گڑھا پُر کر دیا جائے... ہم یہاں نگرانوں کا انتظام کیے دیتے ہیں... آپ اپنے اپنے آدمی کا انتظام کر لیں۔

کر لیں گے... آپ فکر نہ کریں۔ سردار خان نے کہا۔

اور مجھے تو کہیں جانے کی ضرورت نہیں... میں خود

نگرانی کروں گا۔ ریاض بھائی نے کہا۔

کیوں جناب... آپ کو ضرورت کیوں نہیں؟ سردار خان

خوفاً بولے۔

اس لیے کہ میرے پاس تو پہلے ہی عدالت کا فیصلہ موجود

ہے... میں کیوں عدالت میں جاؤں؟

یہ ٹھیک کر رہے ہیں... انھیں عدالت میں جانے کی

ضرورت نہیں... مسٹر ریاض بھائی... ان کاغذات کی نقل ہمیں

کراتا ہو گی... کیا یہ ہم ساتھ لے جائیں؟

ہرگز نہیں... آپ ان کا نمبر نوٹ کر لیں... عدالت سے

نکلا لیں۔

اچھی بات ہے... یونہی سہی۔ وہ مسکرائے۔

اب انھوں نے سادہ لباس والوں کو وہاں طلب کیا، ان

کی ڈیوٹی انھیں سمجھائی... گڑھے کو پہلے ہی پاٹ دیا گیا تھا،

انھیں ریاض بھائی اور سردار خان کو وہاں چھوڑ کر وہ

شہر کی طرف روانہ ہوئے... وکیل بھی وہاں سے چل پڑا...

یہ معاملہ تو خاص غیر جاسوسی ثابت ہوا ہے انکل۔ فرحت

نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

کوئی بات نہیں... ملکی تو بن سکتا ہے... اگر اس خزانہ

پر حکومت کا حق ثابت ہو گیا تو کیا یہ بات مزے کی

نہیں ہو گی؟

مزے کی تو خیر ہو گی... لیکن صرف ہمارے لیے...

دونوں فریقوں کے لیے نہیں؟

”بھئی یہ لوگ اس خزانے کو ضائع کر دیں گے... جب کہ ملک کے لیے کام آئے گا... اس سے سڑکیں بن سکتی ہیں، کوئی کارخانہ تعمیر ہو سکتا ہے... وہ کارخانہ ملک کے لیے کوئی چیز تیار کرے گا... اس طرح تجارت بڑھتی جائے گی۔“
 ”ہوں! ٹھیک ہے... لیکن یہ معاملہ تو اب عدالت کا رہ گیا ہے۔ ہم اور آپ کیا کر سکتے ہیں۔“

”ہم اور تم تقیش تو کر سکتے ہیں۔“
 ”جی... کیا فرمایا... تقیش... یہ تقیش اس کیس میں کہاں سے آکر پڑے گا؟“
 آفتاب گھبرا کر بولا۔
 ”بھئی تقیش کے نام سے تو تم اس طرح بدک رہے ہو جیسے گھوڑا آتش بازی سے بدکتا ہے۔“

”یہ بات نہیں... بات یہ ہے کہ اس کیس میں تقیش کا سوال تو دور دور تک نظر نہیں آ رہا... جب کہ آبا جان بات کر رہے ہیں تقیش کرنے کی۔“
 ”بھئی تقیش کا کیا ہے... وہ تو کسی بھی معاملے میں کی جا سکتی ہے۔“ انھوں نے ان کے انداز میں کہا۔
 ”جی ہاں... یہ تو ہے۔“ آفتاب گھبرا گیا۔
 ”اگر یہ ہے، تو کریں گے۔“

”دوسرے دن انھوں نے کاغذات کی نقل حاصل کر لی... اس

کا مطالعہ کیا... ریاض بھائی نے عدالت میں یہ درخواست دی تھی کہ اس کا ایک آبائی مکان اسلام ٹاؤن میں تھا... اس کے کاغذات مدعی پیش کر رہا ہے... یہ مکان اس کے پردادا کا تھا... پردادا مغلیہ حکومت کا بڑا عہدے دار تھا... اس کے کاغذات بھی ساتھ ہیں... حکومت کی طرف سے انھیں بے تحاشا انعام ملے... کیوں کہ انھوں نے بہادری کے بہت جھنڈے گاڑے تھے... یہ تمام انعامات اس قدر کثیر تھے کہ انھوں نے ایک دیک میں ان کو جمع کیا اور اپنے مکان میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا... تاکہ ان کی اولاد کے کام آ سکے... میرے دادا اور والد اس خزانے سے فائدہ نہ اٹھا سکے... لیکن میں ان کا اکوٹا وارث ہوں... مجھے وہ خزانہ وہاں سے نکالنے کی اجازت دی جائے... کیوں کہ میرے والد لاعلمی میں مکان فروخت کر بیٹھے... دادا نے انھیں خزانے کے بارے میں مرتے وقت بتانا چاہا تھا... لیکن وہ اس وقت وہاں نہیں تھے... اس لیے نہ جان سکے... البتہ وہ یہ راز کبھی نہ دے سکے... وہ راز بھی والد کے ہاتھ نہ لگ سکا۔ جو میرے ہاتھ لگا... لہذا عدالت عالیہ سے درخواست ہے کہ مجھے وہ خزانہ نکالنے کی اجازت دی جائے... درخواست کے ساتھ تمام کاغذات منسلک کر دیے گئے۔“

اس درخواست کی بنیاد پر عدالت نے کاغذات دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ دیا تھا کہ مدعی کو وہ خزانہ نکالنے اور استعمال میں لانے کا حق ہے... ان کاغذات کو پڑھ کر انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

ان حالات میں تو اس معاملے میں کسی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن سٹے آرڈر لینے کا قانون بھی تو آخر ہمارے ہی ملک کا ہے... اگر سردار خان کا وکیل سٹے آرڈر لاتا ہے... یا ہم عدالت سے حاصل کر لیتے ہیں... تو یہ ہمارا بھی قانونی حق ہے... ہم اپنے ملک کے لیے یہ کوشش کریں گے... اور سردار خان اپنی ذات کے لیے:

سردار خان تو اپنی ذات کے لیے کر سکتا ہے... لیکن ہم ملک کے لیے کس طرح کوشش کریں گے... جب کہ اس کا حق مانا جا چکا ہے...

بعض عدالتی فیصلے غلط بھی تو ہوتے ہیں... اور ان کے خلاف سپریم کورٹ فیصلہ سناتی ہے:

”ٹھیک ہے... آپ بھی کوشش کریں... ویسے ہمارا خیال یہی ہے... کہ یہ خزانہ ریاض بھائی کو ہی ملے گا“

”دیکھا جائے گا... ہمیں ریاض بھائی سے کوئی دشمنی

نہیں ہے... کوئی ضد نہیں ہے... اگر اس کا حق بنا، تو اس کے حوالے کر دیں گے۔“

”بالکل ٹھیک انکل، فرحت مسکرائی۔“

عدالتی کارروائی میں کئی دن لگ گئے... اور آخر فیصلہ یہ ہوا کہ خزانہ ریاض بھائی کے حوالے کر دیا جائے... دیکھا آبا جان... میں نے کیا کہا تھا:

”ہاں بھئی... تمہارا اندازہ درست نکلا اور میرا غلط“

”تو آپ کا اندازہ اور تھا“

”ہاں... لیکن اندازہ کیا تھا... میں بتاؤں گا نہیں، انھوں نے کہا۔“

بچی... کیوں نہیں بتائیں گے۔ فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

”بس نہیں بتاؤں گا... اب چلو... حق دار کو اس کا حق بھی ادا کرنا ہے... کیوں کہ جب تک ہم وہاں نہیں پہنچیں گے... سادہ لباس والے گڑھا نہیں کھودنے دیں گے۔“ انھوں نے کہا۔

اور وہ نیوٹاؤن کی طرف روانہ ہو گئے... وہاں ریاض بھائی پہلے ہی پہنچ چکے تھے... سردار خان اور وکیل صاحب بھی موجود تھے... سادہ لباس والے بھی چوکس کھڑے تھے:

”انسپکٹر صاحب... آخر میں جیت گیا... ریاض بھائی بولا۔“

”ہاں جھٹی... واقعی: وہ مسکرائے۔
 ”ذرا ادھر دیکھیے... ان کے منہ کس طرح ٹٹکے ہوئے
 ہیں۔“ اس نے سردار خان اور وکیل کی طرف دیکھا۔
 ”ہمارے منہ تو نہیں ٹٹکے ہوئے نا...“ انپکٹر کامران
 مرزا مسکرائے۔

”نہیں... اس لیے کہ آپ اپنی ذات کے لیے نہیں لڑ
 رہے تھے... صرف اور صرف ملک کے فائدے کے لیے
 کوشش کر رہے تھے... اب میری ایک خواہش ہے... جب
 تک خزانہ میں اپنے بنک میں منتقل نہیں کرا لیتا... آپ اور
 آپ کے یہ سارے لباس والے ساتھ رہیں گے۔“
 ”اچھی بات ہے... گڑھا کھود کر دیگ باہر نکال لو
 جھٹی۔“ انھوں نے کہا۔

”او کے سر: وہ بولے۔
 انھوں نے کدالیں سنبھال لیں... بہت تیزی سے کھدائی
 ہونے لگی... آخر وہ دیگ تک پہنچ گئے... دیگ کا اوپر
 والا حصہ نظر آنے لگا...
 ”دیگ باہر نکالنے کے لیے... ہمیں اس گڑھے کو چاروں
 طرف سے کھودنا پڑے گا... کیوں نہ دیگ کو ویسے ہی
 خالی کر دیا جائے... خزانہ ہیگ میں بھر لیا جائے۔“

”میرا خیال ہے... یہ مناسب رہے گا... اس طرح وقت
 بھی بہت کم لگے گا۔“ انپکٹر کامران مرزا بولے۔
 ”مجھے کوئی اعتراض نہیں... لیکن اس کے لیے پہلے ہیگ
 لانا پڑیں گے۔“
 ”وہ آپ فکر نہ کریں... ہم ابھی منگوا لیتے ہیں۔“ انھوں
 نے کہا۔

”بہت خوب... تو پھر منگوا لیں... آپ کے اس تعاون کا
 بہت بہت شکریہ۔“
 ”کوئی بات نہیں۔“
 اب دھککنے پر سے مٹی ہٹائی گئی اور آخر کار دھککنا اوپر
 اٹھایا گیا... دوسرے ہی لمحے وہ سب چلا اٹھے:
 ”ارے... یہ کیا!!!“

نن... نہیں

ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں... مارے حیرت کے بُرا
حال ہو گیا... دیگ خالی تھی... اس میں کوئی خزانہ نہیں تھا...
گویا خالی دیگ ان کا منہ چڑا رہی تھی :
”ہم سے بہت بھاری غلطی ہو گئی۔“ انپکٹر کامران مرزا
بڑبڑاتے۔

”جی... کیا مطلب... ہم سے غلطی ہو گئی۔“ آصفت چونکا۔
”ہاں! عدالتی کارروائی میں پڑ گئے... ڈھکنا تو ہمیں اسی
وقت اٹھا کر دیکھ لینا چاہیے تھا۔“

”جی کیا مطلب... کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیگ میں
خزانہ اس وقت بھی نہیں تھا جب سردار خان اور وکیل
صاحب نے کھدائی کی تھی۔“

”یہی تو مشکل ہے... اب ہم نہیں جانتے... کہ اس وقت
خزانہ تھا یا نہیں... میں یہی تو کہہ رہا ہوں، اگر اسی وقت

ڈھکنا اٹھا کر دیکھ لیا جاتا تو کم از کم ایک بات طے ہو جاتی... یہ
کہ خزانہ دیگ میں ہے یا نہیں... اب دو باتیں ہو گئیں۔ وہ کہتے
تھے رک گئے۔

”جی... کون سی دو باتیں؟“ سردار خان نے کھوئے کھوئے
انداز میں کہا۔

”ایک بات تو یہ کہ جب آپ نے کھدائی کی... خزانہ اس
وقت بھی دیگ میں نہیں تھا، اس سے پہلے ہی کوئی نکال
چکا تھا... دوسرے یہ کہ اس وقت خزانہ تھا اور عدالتی کارروائی
کے دوران کسی وقت نکالا گیا۔“

”یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ ایک سادہ لباس والا کانپا
کہہ بولا۔

”مشہور جی... میں نے تم پر الزام نہیں لگایا... یہ مسئلہ بہت
سنگین ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”جی کیا مطلب... آپ اپنے ان آدمیوں پر الزام نہیں لگا
رہے... اس کا مطلب تو پھر یہ ہے کہ آپ کے ان آدمیوں کی
آنکھوں میں دھول چھوٹک کر ہم میں سے کسی نے خزانہ نکال
لیا ہے...“ ریاض بھائی نے چلاتے ہوئے کہا۔

”نہیں! میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا... کیوں کہ ایسا کرنا بالکل
ممکن نظر نہیں آتا... آپ لوگ بھی تو یہاں مسلسل موجود رہے

ہیں... کیا آپ نے میرے ان ماکھوس کو کسی وقت تنہا چھوڑا تھا... انھوں نے پوچھا۔

”تنہا تو نہیں چھوڑا تھا... لیکن ہم پر نیند تو کئی بار طاری ہوئی تھی... میں نے اور سردار خان نے برابر یہاں پر ڈیوٹی دی تھی... لیکن ہم سوتے بھی رہے اور جاگتے بھی... کیا خبر... کسی رات جب ہم پر نیند طاری ہو گئی ہو تو ہمیں کوئی ہلکی بے ہوشی کی دواسنگھا دی گئی ہو... اور آپ کے آدمیوں نے دیگ خالی کر دی ہو۔“

”ادہ... ادہ... ادہ ضرور ایسا ہی ہوا ہے...“ وکیل نے چلا کر کہا۔

”ایک منٹ جناب! آپ اس قدر آسانی سے کسی پر اتنا بڑا الزام نہیں لگا سکتے... دیگ میں ہیرے کا کوئی ہار نہیں تھا کہ آدمی ایک منٹ میں ادھر سے ادھر کر دیتا... ریاض بھائی صاحب کے خیال کے مطابق یہ پوری دیگ بھری ہوئی تھی، کیوں جناب؟“

”ہاں بالکل... میرے کاغذات کی رو سے دیگ منہ تک بھری ہوئی تھی... اس میں سونے کے، چاندی کے اور ہیروں کے زیورات تھے... اور بہت قیمتی موتی بھی... اس قسم کی بے شمار چیزوں سے دیگ بھری پڑی تھی... اُف میرا خزانہ! ریاض بھائی

نے روتے ہوئے کہا۔

”آپ ذرا صبر کریں... آپ کا خزانہ بھاگا نہیں جا رہا... آپ کا حق آپ کو ضرور ملے گا... یہ انپکٹر کامران مرزا کا وعدہ ہے اور انپکٹر کامران مرزا جب کسی سے وعدہ کر لیتا ہے تو پھر چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے... وعدہ پورا کیے بغیر نہیں رہتا... بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ خزانہ پہلے ہی نکالا جا چکا تھا۔ انھوں نے روانی کے عالم میں کہا۔

”ہرگز نہیں... میں یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں... اس خزانے کے بارے میں کسی کو بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔“ ریاض بھائی نے فوراً کہا۔

”اگر آپ کچھ دیر کے لیے خاموشی اختیار کر لیں تو ہم دیگ کا معائنہ کر کے یہ بتا سکتے ہیں کہ خزانہ ان دنوں کے دوران نکالا گیا ہے... یا پہلے ہی نکالا جا چکا تھا۔“

”دیگ کے معائنے سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے۔“ سردار خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہم نے کو اس دینا میں کیا نہیں ہو سکتا۔ آفتاب نے فوراً کہا۔

”حد ہو گئی یعنی کہ...“ آصف جھٹلا اٹھا۔

”اچھا ذرا تم تو اپنی اپنی زبان کو لگام دو۔“

”جی بہت بہتر... لیکن آبا جان... اس وقت ہم لگا میں کہاں سے لائیں۔“

”اگر لگا میں نہیں ہیں تو سپران کو تالے لگا لو؟ وہ بھٹا اٹھے۔ ہم تالے بھی تو ساتھ نہیں لائے؟ آفتاب مسکرایا۔
”مار کھاؤ گے کیا۔“

”جی نہیں... فی الحال تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔“
”خیر... جب ہوا بت دینا... اور اگر اب بولے... تو مجھ سے بڑا کوئی نہیں ہو گا۔“

”جب کہ ہم ایک ہی بات جانتے ہیں... اور وہ یہ کہ آبا سے اچھا کوئی نہیں ہو گا۔ آفتاب پھر بول اٹھا۔
”الپکڑ کامران مرزا ہنس پڑے... اور پھر بھٹا کر بولے۔
”تو بہ ہے تم سے۔“

”اور پھر دیگ پر جھک گئے... انھوں نے باریک بینی سے دیگ کا جائزہ لیا... اچانک وہ چونک اٹھے:

”اوہو... دیگ میں ایک عدد ہیرا باقی رہ گیا ہے۔“
”لگ... کیا... ہیرا باقی رہ گیا ہے۔“ سردار خان چلائے۔
”ہاں... وہ رہا... آفتاب تم ذرا اس دیگ میں اترنا۔“

”جی... مم... میں... اس میں اتروں؟“
”ہاں... کیوں... کیا ہوا... یہ دیگ ہے... کوئی قبر تو نہیں؟“

”شکریہ آبا جان... آپ نے میرے دل کی بات کہ دی؟ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونکے۔

”مطلب یہ کہ اگر میرے اندر اترنے کے بعد ڈھکنا اوپر رکھ کر مٹی گرا دی جائے گی... تو اس میں اور قبر میں فرق بھی کیا رہ جائے گا۔“

”تم پھر شروع ہو گئے... چلو اترو اور ہیرا اٹھا لاؤ۔“
”جی... اچھا۔“

”اس نے کہا اور نیچے اتر گیا... پھر ہیرا اٹھا کر اوپر آ گیا... یہ ایک کبود تر کے انڈے جتنا بڑا تھا...“

”کمال ہے... حیرت ہے... تعجب ہے۔“ الپکڑ کامران مرزا جلدی جلدی بولے۔

”افسوس ہے... پریشانی ہے... گھبراہٹ ہے۔“ آفتاب نے ان کے انداز میں کہا۔

”کیا مطلب؟“ الپکڑ کامران مرزا حیران ہو کر بولے۔
”آخر آپ نے یہ کیوں کہا... حیرت ہے، کمال ہے... تعجب ہے... اتنی باتیں ایک ساتھ کیسے ہو سکتی ہیں؟“

”ایک تو میں تم سے تنگ آ گیا ہوں... یہ دونوں بھی تو ہیں... اس قدر بے کار باتیں تو نہیں کرتے... ہر بات میں

بے بات ٹانگ تو نہیں اڑاتے۔

”اب آپ محاورات پر اتر آئے۔“

”اچھا یار دماغ نہ چاڑو۔“

انھوں نے جھلا کر کہا... اور ہیرے کا معائنہ کرنے لگے:

”انگل آپ نے یہ قربت یا نہیں کہ کس بات پر حیرت اور

تعجب ہے۔“

”بلکہ کمال بھی۔ آفتاب وہ نہ سکا۔“

”اس بات پر کہ جن لوگوں نے پوری دیگ کی صفائی کر ڈالی... آخر وہ یہ ہیرا کس طرح چھوڑ گئے۔“

”یہ بتانے کے لیے کہ اس دیگ میں ہیرے بھی تھے... اور

اتنے بڑے بڑے ہیرے تھے... گویا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس قدر دولت اس دیگ میں تھی۔“ آفتاب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”ہاں! یہ بات تم نے کام کی کئی ہے۔“

”اُف مالک... اس میں تو پھر اربوں روپے کی دولت تھی۔“

ریاض بھائی چلایا۔

”اگر یہ ہیرا اصلی ہے... اور اس قسم کے ہیرے اس دیگ

میں تھے... تب تو پھر اس میں واقعی اربوں روپے کی دولت تھی۔“

وہ بولے۔

”مم... میں کچھ نہیں جانتا جناب... یہ دولت آپ کے آدمیوں نے چوری کی ہے... اتنا بڑا خزانہ دیکھ کر کون بے ایمان نہیں ہو سکتا۔“

”دیکھیے جناب! آپ ہم پر سراسر الزام لگا رہے ہیں۔ ایک سادہ لباس والا بیٹھا کر بولا۔

”ایک منٹ... تم نہ بولو... بھاری طرف سے بات کرنے کے

لیے میں موجود ہوں... اگر یہ تم پر الزام لگائیں گے تو اس

کا مطلب ہے... یہ مجھ پر الزام لگائیں گے...“ انسپٹر کامران

مرزا نے پرسکون انداز میں کہا۔

”او کے سرے اس نے فوراً کہا۔“

”ہاں تو جناب... پہلی بات تو یہ کہ ہم اس ہیرے کو جوہری

سے چیک کرائیں گے۔“ انسپٹر کامران مرزا نے اعلان کرنے والے

انداز میں کہا۔

”اور اس کو بھی نقلی ہیرے سے تبدیل کر کے جیب میں ڈال

لیں گے۔“ ریاض بھائی نے فوراً کہا۔

”آپ حد سے گزر رہے ہیں... یہ بات یاد رہے۔“

”اور میں ان حالات میں کر سبھی کیا سکتا ہوں... ذرا میری

حالت پر غور کریں... جس کا اتنا بڑا خزانہ غائب کر دیا جائے

اس پر کیا نہیں گزر رہی ہو گی...؟“

”میں سمجھتا ہوں... اور اس معاملے پر غور کرنا چاہتا ہوں...
لیکن یہ اسی وقت ہو گا... جب آپ مجھے موقع دیں گے“
پہلیے دے دیا موقع... برسی غور... سردار خان نے طنزیت
انداز میں کہا۔

انھوں نے بڑا سامنہ بناتے ہوئے دیگ کا معائنہ شروع
کیا... وہ پرانے انداز کی بہت بڑی دیگ تھی... رنگ بھی
کالا ہو چکا تھا... لیکن رنگ آلود نہیں تھی... دیگ کے
اندر کچھ مٹی نظر آرہی تھی... اور اس میں اب کچھ نہیں تھا...
”جب تک ہم اس ہیرے کو چیک نہیں کرا لیتے... بات
آگے نہیں بڑھے گی...“ آخر انھوں نے کہا۔

”آپ کچھ بھی کر لیں... اب ہم یہاں اخباری نمائندوں کو
بلائیں گے... یہ ساری کہانی انھیں سنائیں گے... آپ جانیں آپ
کا کام... ہمارا الزام یہ ہے کہ آپ کے آدمیوں نے خزانہ
اڑایا ہے... کیا خیال ہے... وکیل صاحب...“ ریاض بھائی
نے کہا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے“
”تو پھر آپ میری طرف سے یہ کیس عدالت میں لڑیں“
اس نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ وکیل نے چونک کر کہا۔

”مطلب یہ کہ... مجھے اپنا خزانہ ان سے لینا ہے... اور ہم
اب عدالت کے ذریعے یہ لے سکتے ہیں...“
”بہت خوب... آپ تو خود وکیل معلوم ہوتے ہیں... وکیل
نے خوش ہو کر کہا۔

”نہیں خیر... میں وکیل نہیں ہوں“
”ہمیں فوری طور پر اس معاملے کو عدالت میں لے جانا چاہیے“
پورا شہر اس معاملے کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔
”آپ فکر نہ کریں... یہ کیس میری زندگی کا بہت بڑا
کیس ہو گا... اربوں روپے کا کیس“

”لیکن... میرا آپ کو مشورہ ہے کہ آپ انتظار کریں... ہم
اس خزانے کا سراغ لگائیں گے... اور آپ کا حق آپ کو
دیں گے“

”نہیں جناب... لوٹنے والے کسی کا حق نہیں دیا کرتا“
”آپ مجھ پر ڈاکو کا الزام عاید کر رہے ہیں“ انیکٹر کارن
مرزا مکرانے۔

”ہاں اور کیا کر سکتا ہوں... مجھے کیا معلوم تھا... کہ اس
معاملے میں میں ایک ڈاکو کو شریک کر رہا ہوں“
”بہت ہو چکی... ہم اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتے“
آفتاب نے جھلک کر کہا۔

”کوئی بات نہیں بھی... آؤ چلیں... یہ میرا ہمارے پاس رہے گا... آپ چاہیں تو اس کی رسید لے سکتے ہیں۔“
 ”نہ نہ... بہت سے ہیرے غائب کر دیے گئے اور ہم اس کی ایک کی رسید لکھوائیں گے۔ ریاض جہانی نے شک کر کہا۔
 وہ وہاں سے اپنی گاڑی کی طرف آئے... سادہ لباس والے بھی ان کے ساتھ آئے تھے... انسپکٹر کا مرزا ان کی طرف مڑے۔

”میں جانتا ہوں... تم لوگوں نے قطعاً کوئی بے ایمانی نہیں کی... خزانہ پہلے ہی دیگ سے نکالا جا چکا ہے... اب سوال یہ ہے کہ خزانہ کس نے نکالا اور کہاں ہے... ہمیں یہ معلوم کرنا ہے... تم لوگ فی الحال اپنے گھروں کو جاؤ... کئی دن ہو گئے یہاں ڈیوٹی دیتے ہوئے... جب بلاؤں تو آنا۔“
 ”اوکے سر... آپ کا بہت بہت شکریہ... ہم پر اس قدر اعتماد کیا۔“

انہوں نے کہا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔
 ”کیا یہ بات ہمارے اصول کے خلاف نہیں ہے سر... کیا ہمیں ان پر شک نہیں کرنا چاہیے۔“
 ”نہیں... ان لوگوں پر شک اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ہزاروں مرتبہ کے آزمائے ہوئے ہیں۔“

”ہوں... آصف کے منہ سے نکلا۔
 وہ اسی وقت اپنے دوست جوہری کے پاس پہنچے... اس نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا...
 ”ضرور کوئی جاسوسی معاملہ ہو گا... ورنہ آپ میرے پاس کیوں آنے لگے؟“
 ”اندازہ غلط نہیں ہے؟ وہ مسکرائے۔

”کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“
 ”یہ میرے پاس ایک ہیرا ہے... اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

جوہری نے ہیرا لے لیا اور پھر اٹھ کر چلا گیا... پانچ منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی...
 ”ہیرا بالکل اصلی ہے جناب۔“

”اوہ اچھا... اس کی قیمت کا اندازہ؟“
 ”کوئی ایک لاکھ سو پچاس ہونگا۔“
 ”کافی بڑا ہیرا ہے۔“

”ہاں! اس سے زیادہ بھی قیمت مل سکتی ہے... شاید دو لاکھ مل جائے۔“

”میں یہ فروخت نہیں کرنے آیا... کھل کر بتاؤ۔“
 ”پچ تو پھر یہ ہے کہ اس کی قیمت دس لاکھ سے کم نہیں

ہے جوہری نے کہا۔

”ارے باپ رے...“ انپکٹر کامران مرزا گھبرا گئے۔

”کیوں... کیوں... کیا بات ہے... آپ کو کیا ہوا؟“

”اگر ایسے ہیروں کی ایک دیگ بھری ہوئی ہو... تو...“

تو... تو...“

”نہیں... نہیں...“

جوہری نے چلا کر کہا۔

منہ

اُردو کا پیریڈ

جوہری کی دکان سے باہر نکل کر انپکٹر کامران مرزا نے ان

سے کہا:

”میں تھک گیا ہوں؟“

”جی... کیا فرمایا... آپ تھک گئے ہیں؟“

”ہاں! وہ بولے۔“

”یہ بات ہمارے لیے عجیب ترین ہے... اور ناقابلِ یقین

ہے! آصف نے کہا۔“

”بھئی کہہ جا رہا ہوں... کہ تھک گیا ہوں؟“

”بہت بہتر... آگے فرمائیے؟“

”اب یہ کیسے تم حل کرو گے؟“

”آپ نے کیا فرمایا... ہم حل کریں گے... اور یہ کیس...“

جو اس قدر الجھا ہوا ہے؟“

”تو کیا ہوا... الجھے ہوئے کیس ہی تو ہم حل کرتے ہیں،“

”کیا آج تک کوئی ایک کیس بھی ایسا ملا... جو الجھا ہوا نہ ہو۔“ انھوں نے کہا۔

”نہیں... وہ ایک ساتھ بولے۔

”تب پھر گھبرانہ کیسا... کرو اس کو حل۔“

”اور آپ... آپ کیا کریں گے۔“

”میں عدالتی کارروائی سے ہٹوں گا... آخر کو وہ لوگ اب عدالت کا رخ کریں گے۔“

”جی ہاں... یہ تو ہے... اچھی بات۔“

”بلکہ میں اس وقت عدالت میں جا رہا ہوں... مجھے بھی تو سرکاری وکیل سے ملاقات کرنا پڑے گی... اس کیس کے بارے میں انھیں بتانا پڑے گا۔“

”اچھی بات ہے... ہم پھر فی الحال گھر چلتے ہیں۔“

”ہاں! وہاں جا کر خوب غور کرو... اس کیس میں کہاں

گڑبڑ ہے۔“

”آپ پوچھ رہے ہیں کہاں گڑبڑ ہے... ہمیں تو اس میں ہر

طرف گڑبڑ ہی گڑبڑ محسوس ہو رہی ہے۔“

”بس تو پھر اس گڑبڑ کا پتا لگانا ہے۔“

”اوکے انکل... آپ فکر نہ کریں... ہم آپ کی امیدوں پر

پورا اتریں گے۔“

”تھوڑی بہت کمی رہ گئی... تو ایک دو من کے باٹ رکھ لیں گے۔“ آفتاب نے کہا۔

”حدر ہو گئی...“ فرحت نے جھٹلا کر کہا۔

”اور وہ گھر کی طرف روانہ ہو گئے... جو نہی اندر داخل ہوئے،

فون کی گھنٹی نے انھیں چونکا دیا... آفتاب نے ریسپور اٹھاتے

ہوئے کہا،

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

”جی فرمائیے... آفتاب عرض کر رہا ہوں۔“

مزدا مہتی۔

”جیت رہے... کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔“

”جملے کی وجہ ابھی تک میں بھی نہیں سمجھ سکا... ارے ہاں سمجھ میں بات آگئی۔ وہ چونکے۔“

”تو پھر جلدی سے وجہ بتا دیں۔ آفتاب نے بے چینی ہو کر کہا۔“

”پہلے دروازے اندر سے بند کر لو۔“

”آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔ اس نے کہا۔“

”ہاں! میرا خیال ہے... حملہ ضرور کیا جائے گا۔“

”اچھی بات ہے... آصف، فرحت... جلدی سے دروازہ

بند کر لو۔“

”اوہ اچھا۔“

انھوں نے فوراً دروازے اندر سے بند کر دیے...

”دروازے بند ہو گئے ہیں آبا جان۔“

”اس جملے کا بالکل صاف مطلب ہے کہ خزانہ پہلے ہی کوئی

حاصل کر چکا ہے... اب اگر ہم نے اس کا سراغ لگا لیا تو

خزانہ اس سے لے کر ہم ریاض بھائی کے حوالے کر دیں گے،

یہ بات سمجھلا وہ شخص کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔“

”ہوں! یہ بات بھی ٹھیک ہے۔“

”لہذا وہ ہمیں اپنے راستے سے ہی ہٹا دینا چاہتا ہے۔“

اور ایسا آدمی بہت خطرناک ہوتا ہے۔“

”اللہ مالک ہے... آپ فکر نہ کریں۔“

انھوں نے رسی پور رکھ دیا... عین اس وقت دروازے

پر دستک ہوئی،

”لو... مہمان آگئے۔ آصف بولا۔“

”تم فوراً مقابلے کی تیاری کر لو... میں دروازہ کھولتا

ہوں۔ آفتاب نے کہا۔“

”تم دروازہ کھولو گے؟ آصف نے حیران ہو کر کہا۔“

”کیوں... کیا میں دروازہ بھی نہیں کھول سکتا... کیا اس

کام کے بس تم ہی ماہر ہو۔ اس نے جل کر کہا۔“

”اچھا بھائی... جاؤ کھولو جا کر۔ آصف نے منہ بنایا۔“

”ایک منٹ... ذرا میں باورچی خانے میں چلی جاؤں پہلے۔“

بیگم کا مران مرزا بولیں۔“

جلد ہی وہاں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا سوائے آفتاب

کے... اب اس نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے... اسی

وقت دستک پھر ہوئی...

”ایک منٹ جناب۔ آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔“

پھر دروازے پر پہنچ کر اس نے کہا،

”کون؟“

”ہم ہیں... دروازہ کھولیں؟“

”ہم کون ہیں... آپ کے کچھ نام تو ہوں گے۔“

”ناموں میں کیا رکھا ہے...“ باہر سے کہا گیا۔

”کہتے تو آپ ٹھیک ہیں... لیکن یہ بات صرف کہنے کی

حد تک ہے... ورنہ ناموں میں بہت کچھ رکھا ہے۔“ اس نے کہا۔

”اچھا اچھا... دروازہ کھولیں۔“

”سوال یہ ہے کہ کیوں کھولوں... جب کہ آپ اپنا نام

تک بتانے پر تیار نہیں ہیں۔“

”اچھی بات ہے... میرا نام استاد کھنڈو ہے۔“

”ارے باپ رے... اب استاد ایسے خوف ناک نام

رکھنے لگے ہیں... پہلے زمانے میں تو بہت شریفانہ نام

لاکھتے تھے... استاد صاحبان۔“

”میں کسی سکول میں استاد نہیں ہوں... باہر سے جھٹاکر

کہا۔“

”ہائیں تو پھر... کالج کے استاد ہیں... لیکن کالج کے

استاد تو پروفیسر کہلاتے ہیں۔“

”تم دروازہ تو کھولو... پورا تعارف ہو جائے گا۔“

”آپ پہلے کام بتائیں۔“

”تم لوگوں سے مل رہے۔“

”لیکن ہم آپ سے مل نہیں چاہتے... لہذا آپ واپس

لوٹ جائیں اور پھر کسی وقت آئیں... اس وقت ہم اکیلے

ہیں۔“

”ارے! یہ انپکٹر کامران مرزا کے بچے اس قدر بزدل

کب سے ہو گئے۔“

”ہائیں! ہم اور بزدل... ارے میاں جاؤ۔“ اس نے

چلا کر کہا۔

”اگر بزدل نہیں ہو تو دروازہ کھول دو۔“

”اچھی بات... کھکھ... کھول رہا ہوں۔“ اس نے ڈرے

ڈرے انداز میں کہا۔

اور پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا... لیکن ساتھ میں

خود دیوار سے جا لگا... فوراً ہی فائر کی آواز گونجی... اور

تین لمبے ترنگے فوجانہ اندر آ گئے... ان کے ہاتھوں میں

پستول تھے...

”یہ... یہ... یہ کیا بڑے بھائی... آپ نے تو فائر

جھونک مارا۔“

”ابھی تو ہم اور فائر کریں گے... یہ کہہ کر ان میں

سے ایک نے دروازہ بند کر دیا... اور تینوں اس کی طرف گھوم گئے...

"باقی لوگ کہاں ہیں؟ ایک غرایا۔"

"آرام کر رہے ہیں۔ اس نے کہا۔"

"ان سے کہو... ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے سامنے آجائیں..."

اور ہاں! تم بھی ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

"میں تو خیر اٹھا دیتا ہوں... لیکن وہ نہیں اٹھائیں گے۔"

آفتاب بولا۔

"کیا مطلب؟" اس نے منہ بنایا۔

"وہ دیکھو... ہاتھ گراتے چلے آ رہے ہیں؟"

وہ چونک کر مڑے اور ساتھ ہی آفتاب نے ان پر

چھلانگ لگا دی... ساتھ ہی آصف اور قرحت نے اپنی جگہوں

سے چھلانگیں لگائیں...

تینوں منہ کے بل زمین پر گرے اور ان کے پستول ان

کے ہاتھوں سے نکل گئے... فوراً وہ پستول ان تینوں نے

اٹھا لیے...

"اب تم ہاتھ اوپر اٹھا دو دوستو! آصف نے شہزادہ

میں کہا۔

ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے،

"تم میں سے استاد کھنڈو کون ہے؟"

"کوئی نہیں؟ ایک نے کہا۔"

"ابھی باہر سے کہا نہیں گیا تھا کہ میں ہوں استاد کھنڈو؟"

"ہاں! استاد باہر ہی پھڑکے تھے؟"

"ارے! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔"

"یہ بات تو خطرناک ہے... خیر... استاد کا بھی بندوبست

کر لیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر آصف نے زینے کا رخ کیا... چھت پر پہنچ

کر اس نے نیچے دیکھا... پائیں باغ میں ایک غنڈہ صورت

آدمی اکڑ کر کھڑا تھا... اس کے چہرے پر بڑی بڑی موٹھیں

تھیں... وہ سگریٹ کے کش پر کش لگا رہا تھا... آصف

نے وہیں سے اس کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا... گولی اس

کی ٹانگ پر لگی... اس کے منہ سے چیخ نکل گئی... وہ

ٹانگ پکڑ کر اٹھا اور پائیں باغ سے باہر کی طرف چلا...

شاید اس کا ارادہ اپنی کار تک جانے کا تھا... آصف نے

اس کی کار دیکھ لی... فوراً ہی اس نے کار کے ٹائر پر

بھی فائر کر دیا... ٹائر ایک دھماکے سے پھٹا...

"اب تم ہاتھ اوپر اٹھا دو... ورنہ گولی تمہاری کمر میں

لگے گی... یہ گولی تو میں نے جان بوجھ کر ٹانگ پر ماری

تھی۔ اس نے بلند آواز میں کہا۔

اس کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے... اوپر سے آصف نے آواز لگائی:

”آفتاب... تم دروازہ کھول کر استاد کو اندر آنے کے لیے کہو... اس پر پستول تانے رہنا... اس وقت وہ ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑا ہے... باہر ان کی کار بھی موجود ہے... اور یہ کار ہے زرد رنگ کی مرزا... مطلب یہ کہ انہی لوگوں نے انکل کی گاڑی پر فائرنگ کی تھی... اور پھر یہ ادھر آگئے؟“

”اوکے... تم فکر نہ کرو... جونہی استاد اندر داخل ہوا، تم نیچے اتر سکتے ہو۔“

”ہوں! ٹھیک ہے۔“

”لو فرحت... ان پر نظر رکھنا، میں ان کے استاد کے لیے دروازہ کھولتا ہوں۔“

فرحت نے سر ہلا دیا... آفتاب دروازے کی طرف بڑھا، دروازہ کھلتے ہی اس نے کہا:

”خیر وار استاد جی... اسی طرح اندر چلے آئیے... ہم لوگ ذرا استاد کا ادب بہت کرتے ہیں۔“

استاد نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا... اور پھر اندر کی طرف قدم اٹھانے لگا... جب وہ اپنے ساتھیوں

کے پاس پہنچ گیا تو آفتاب نے دروازہ بند کر دیا اور ادھر اوپر سے آصف بھی آگیا...

”اس کا مطلب ہے... تم نے میری مدد کے بغیر ہی ان پر قابو پا لیا...“ باورچی خانے سے بیگم کامران مرزا کی آواز سنائی دی۔

”بس آئی... اب کیا کرتے مجبوری تھی۔ آصف مسکرایا۔ اب انہوں نے استاد کا جائزہ لیا... پھر آفتاب فون کی طرف بڑھ گیا... جلدی جلدی شاہد کے منبر ملانے اور بولنا: ”السلام علیکم انکل... آپ کو زحمت دے رہا ہوں... جلیہ سنیے... بڑی بڑی مونچھیں... گول چہرہ، ناک کی نوک پر کالا تیل؟“

”بس کافی ہے... یہ ٹونڈا ہے۔“

”جی نہیں تو... اس کے تو دونوں بازو بالکل ٹھیک ہیں؟“

”اوہ! تم غلط سمجھے... اس کا نام ٹونڈا ہے۔“

”بہت بہت شکریہ... یہ حضرت اس وقت ہمارے مکان میں پائے جاتے ہیں؟“

”ارے! یہ تو بہت سے مقامات میں مطلوب ہے... میں آ رہا ہوں۔“

”شکریہ انکل؟“ اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا... اور

رہسپور رکھ دیا... پھر اس کی طرف مڑا :

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی استاد ٹوڈے۔"

ان سب کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی...

"ابھی آپ کے بھی استاد آنے والے ہیں... وہ آپ کو

فارسی پڑھائیں گے۔"

"ففت... فارسی۔" استاد کے منہ سے حیرت زدہ انداز

میں نکلا۔

"نہیں... صرف فارسی... ففت فارسی اس سے بھی مشکل

ہوتی ہے... لہذا وہ پھر کبھی سہی۔"

"اب ذرا یہ بتا دو کہ آپ کو ایسا کرنے کی ضرورت کیا

پیش آگئی... مطلب یہ کہ پہلے آپ لوگوں نے ہمارے والد

صاحب پر حملہ کرنے کی زحمت کی... پھر ہم پر۔"

"کیا کہہ رہے ہو... حملہ کرنے کی زحمت... آصف کے

لبے میں حیرت تھی۔

"ہاں کیوں... نہیں ہو سکتی... حملہ کرنے کی زحمت..."

آفتاب نے بھی حیران ہو کر کہا۔

"پپ... پتا نہیں؟ وہ ہٹکایا۔

"جب کسی بات کا پتا نہیں ہوتا تو اس پر بات کر کے

وقت نہ ضائع کیا کرو... ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا..." اس

نے بڑا مان کر کہا۔

"یہی تو کہہ رہے تھے... حملہ کرنے کی زحمت کی۔"

"ہاں جناب استاد صاحب! آپ نے یہ دو عدد حملے کرنے

کی زحمت کیوں کی؟"

"بس ایسے ہی... تم لوگ مجھے زہر لگتے ہو۔"

"تو تمہارا کون سا خود کشی کا ارادہ ہے۔" فرحت نے

منہ بنایا۔

"بہت خوب فرحت... تمہارا جملہ پسند آیا۔"

"لیکن یہ اردو کا پریڈ نہیں ہے۔"

عین اس وقت دروازے پر دستک ہوئی... وہ چونک اٹھے

کیوں کہ انداز ان کے والد کا نہیں تھا... نہ شاہد کا... جب

کر آنے کی اُمید ان دونوں کی تھی...

بم والا

یہی... کوئی اور بھائی صاحب آگئے... ہے کوئی ٹمک؟
آفتاب نے جھلا کر کہا۔
”ٹمک کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ آصف
نے کہا۔

”تو دروازہ کھول کر دیکھ لو... پھر تو یقین سے کہہ سکتے ہو نا۔“
آفتاب نے تھلا کر کہا۔

”جھٹنے جھٹنے کی ضرورت نہیں... یہ کام میں کرتی ہوں... تم
ان پر نظر رکھو۔“ فرحت نے کہا اور دروازے کی طرف چلنے
لگی...

”ان پر نظر رکھنے کی بھی ایک ہی کمی... ان پر نظر نہیں
رکھیں گے... تو کیا میز کرسی پر نظر رکھیں گے... اور پھر
نظر رکھنے...“

”اُف توبہ... یار چپ رہو... کیس میرے کان پاگل

نہ ہو جائیں؟

یہی... اب ان کے کان پاگل ہونے لگے... اس بات کی
بھی تو تمک نہیں ہو گی کوئی؟
”حد ہو گئی۔ آصف نے پاؤں پٹختے۔

”کون صاحب ہیں۔“ فرحت نے دروازہ کھولے بغیر کہا۔
”تمھارا باپ۔“ باہر سے کہا گیا۔

”لیکن آپ کی آواز تو ہمارے والد صاحب کی آواز سے
نہیں ملتی... جانیے... پہلے اپنی آواز کو ویلڈنگ کرا کے
آئیے... پھر ہیں دھوکا دینے کی کوشش کیجیے گا۔“
”آواز کی ویلڈنگ... یا اللہ رحم۔“ آفتاب نے کھوئے کھوئے
انداز میں کہا۔

”اگر دروازہ نہیں کھولا گے تو ہم سے اڑا دوں گا... پھر
نیا لگوانا پڑے گا۔“

”کیا چیز نئی لگوانا پڑے گی... بم... فرحت کے لمبے
میں حیرت تھی۔

”ارے نہیں... دروازہ۔“ باہر سے کہا گیا۔

”اچھا بھڑیے... ہم دروازہ کھولنے کے بارے میں ذرا
غور کریں۔“ فرحت نے گڑبڑا کر کہا۔

”یہ بھی کوئی غور کرنے کی بات ہے۔“ باہر سے جھٹکا کر

کہا گیا۔
 ”غور کرنے کی تو ہر بات ہو سکتی ہے استاد کے استاد صاحب... بلکہ ٹوئڈے کے استاد صاحب۔“
 ”ایک تو میں ان نالائقوں سے تنگ آ گیا ہوں۔“ باہر سے تھلا کر کہا گیا۔

”تو پھر ایک بم ان پر مار دے نا... ہمارے دروازے نے کیا تصور کیا ہے۔“

”اوہ میں سمجھ گیا۔“ باہر سے چونک کر کہا گیا۔
 ”کیا سمجھ گئے آپ... ذرا ہم بھی تو اپنے کانوں کو روٹھ

کریں اس بات سے۔“ فرحت نے خوش ہو کر کہا۔
 ”دیکھا تم نے... گئی سختی دروازہ کھولنے اور لگی کانوں کو روشن کرنے... شاید اسی کو کہتے ہیں... ایک پتھہ دو کاج۔“ آفتاب نے کہا۔

”تم لوگ انپکٹر کامران مرزا کے آنے تک وقت ضائع کرنا چاہتے ہو... لیکن تم نہیں جانتے...“ اس نے شونج آواز میں کہا۔

”کک... کیا نہیں جانتے بڑے بھائی۔“
 ”یہ کہ وہ نہیں آئیں گے... بلکہ مشر شاہد بھی نہیں آ پائیں گے... میں ان کا بندوبست کر آیا ہوں... اور اب تم

لوگوں کی باری ہے... اب اگر دروازہ کھولنے میں پانچ سیکنڈ کی بھی دیر کی تو پھر مجھے بم ہی مارنا پڑے گا۔“

”پپ... پانچ سیکنڈ... اس قدر کم مہلت... ایک منٹ جناب میں کھول رہی ہوں۔“ فرحت نے گھبرا کر کہا اور ان کی طرف دیکھا... دونوں نے اشارہ کیا کہ کھول دو...“

جونہی فرحت نے دروازہ کھولا... دو فائر ایک ساتھ ہوئے اور دونوں گولیاں باہر کھڑے شخص کے پیٹ میں لگیں... وہ اونڈھے منہ گرا اور اس کے ہاتھ سے نکل کر کوئی چیز دور تک لڑھکتی چلی گئی...“

”ارے... یہ تو واقعی بم ہے... باپ رے... مگر... یہ پھٹ نہ جائے۔“ یہ کہہ کر آفتاب نے اس کی طرف دوڑ لگا دی۔
 ”کیا کر رہے ہو۔“ آصف چلا آیا۔

”اور اگر کچھ لوگ زخمی ہو گئے تو پچاس نے کہا۔“
 وہ گویا ہوا میں تیرتا ہوا بم میک گیا... اور پھر اسے اٹھا کر ناکارہ بنا دیا... اس چیز کی انھوں نے حناں ٹریننگ لے رکھی تھی...“

”خدایا تیرا شکریہ ہے... بم سے بھی نجات ملی اور بم والے سے بھی... اب انھوں نے استاد کے استاد کو اندر گھسیٹ لیا... وہ ہوش میں تھا...“

”یہ... یہ تم نے کیا کیا؟“
 ”جوابی حملہ... تم بھی تو ہمیں مار ڈالنے پر تل گئے تھے“
 ان تینوں کے تیور دیکھ چکے ہیں ہم... تم لوگ واقعی ہیں
 جان سے مار ڈالنے کے لیے آئے تھے؟
 ”یہ تو خیر ٹھیک ہے“
 ”بس تو پھر... ہم نے بھی ٹھیک ہی کیا ہے“ فرحت
 نے کہا۔

”تو ان تینوں کو جناب نے بھیجا تھا؟“
 ”ہاں اس نے کہا۔“
 ”لیکن کیوں؟“
 ”ہم کرائے کے قاتل ہیں... کسی نامعلوم آدمی نے آپ
 چاروں کے قتل کے لیے ہمیں دس لاکھ روپے ادا کیے
 ہیں“ اس نے بتایا۔
 ”وہ دس لاکھ کہاں ہیں؟“
 ”دس لاکھ روپے دراصل اس نے نقد نہیں دیے تھے؟“
 اس نے کہا۔

”تو پھر... ادھار کیا تھا اس نے... لیکن ایسے کاموں
 میں ادھار کب چلتا ہے... کم از کم نصف رقم تو پہلے ہی
 وصول کی جاتی ہے۔“ آصف بولا۔

”ہاں ایسے ٹھیک ہے... میں نے یہ نہیں کہا کہ اس نے
 ادھار کیا تھا... بلکہ یہ کہا ہے کہ اس نے نقد نہیں دیے
 تھے۔“

”تو پھر... اس کا کیا مطلب ہوا؟“ فرحت نے منہ بنایا۔
 ”اس نے دراصل ایک ہیرا مجھے دیا تھا اور یہ دعویٰ
 کیا تھا کہ میں وہ ہیرا کسی جوہری سے بے شک چیک کرا
 لوں... وہ کسی طرح بھی دس لاکھ سے کم کا نہیں ہے۔“
 ”اوہ... اوہ... ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں

نکلے۔“
 ”ٹھیک... کیا... آپ لوگوں کو کیا ہوا۔“ اس نے تکلیف
 بھرے انداز میں کہا... کیوں کہ اس کے پیٹ سے خون بہت
 تیزی سے بہ رہا تھا۔
 ”پہلے تو ہم آپ کو ہسپتال پہنچا دیں۔“
 ”نہیں... خدا کے لیے ایسا نہ کریں۔“ اس نے گھبرا کر
 کہا۔
 ”کیوں... کیا بات ہے۔“

”وہ لوگ میرا علاج کریں گے... جب میں ٹھیک ہو جاؤں
 گا تو جیل بھیج دیا جاؤں گا... پھر فوج پر مقدمہ چلے گا،
 اور مجھے پھانسی کی سزا ہو جائے گی... تو پھر اب ہی

کیوں نہ مڑ جاؤں؟

اس میں مشکل ایک اور ہے: آفتاب مسکرایا۔

اور وہ کیا؟

وہ کہ موت کا وقت مقرر ہے... وقت مقررہ سے پہلے

تو موت بے چاری آ نہیں سکتی؟

نیچے... حضرت موت کو بے چاری کہہ رہے ہیں... جب

کہ لوگ اس سے کانپتے ہیں... آصف نے منہ بنایا۔

ہاں! لیکن وہ خود واقعی لاچار ہے؟

اچھا بابا ہوگی... ہم یہاں موت پر دلیرانہ نہیں کر

رہے: آصف نے جھلکا کر کہا۔

اور پھر جناب آپ کو تو ہسپتال لے جانا یوں بھی ضروری

ہے کہ ابھی ہمیں آپ کی مدد سے اس شخص تک پہنچنا ہے

جس نے آپ کو ہیرا دے کر بھیجا ہے... اگر آپ نے ہیں

اس تک پہنچا دیا تو ہم بھی آپ کا منہ موتیوں سے بھر

دی گئے؟

اب میں موتیوں کا کیا کروں گا... وہ دس لاکھ کا ہیرا

بھی میرے کسی کام نہیں آیا۔ اس نے حسرت زدہ انداز

میں کہا۔

ہاں بھئی... یہ تو ہے... یہ چیزیں اس حد تک بے کار

بھی کبھی ثابت ہوتی ہیں... اچھا خیر... آپ اس کا نام تو

بتا ہی دیں... مل ہم خود لیں گے؟

انوس! نہ میں اس کا نام بتا سکتا ہوں نہ پتا... کیونکہ

اس نے یہ دونوں باتیں نہیں بتائی تھیں... فون پر بات

سطح کی اور ایک آدمی کے ہاتھ ہیرا بھیج دیا۔

چلیو ٹھیک ہے... اس آدمی کا حلیہ بتا دیں؟

ہاں! میں اس کا حلیہ ضرور بتا سکتا ہوں... اس نے کہا،

پھر بتانے کے لیے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ بے ہوش ہو گیا۔

ارے باپ رے... یہ آپ کس موقع پر بے ہوش

ہوئے... مہربانی فرما کر پہلے حلیہ بتا دیں... پھر خوشی سے

بے ہوش ہوتے رہے گا۔ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

عین اسی وقت گھنٹی بجی... یہ انداز پھر مانوس نہیں تھا۔

یا اللہ رحم... اب کون آ گیا... ارے ہاں... ہم تو بھول

ہی گئے... اس نے بتایا تھا کہ یہ ابا جان اور انکل کا

بندوبست کر کے آیا ہے... سب سے پہلے تو ہمیں ان کی

خبر لینی چاہیے تھی... آصف نے چونک کر کہا۔

جلدی دروازہ کھولو... آفتاب تم فون کے ذریعے حالات

معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ فرحت نے کہا۔

اچھی بات ہے؟

کھلی ہوئی بات

آصف دروازے کی طرف بڑھ گیا... آفتاب فون کرنے لگا... فرحت ان تینوں پر پستول تانے رہی... آصف نے بلند آواز میں کہا،
"کون؟"

"ہسپتال سے آئے ہیں... ایمبولینس لے کر... انپکٹر صاحب نے ہمیں بھیجا ہے... ان کا خیال ہے کہ گھر میں بھی خیریت نہیں ہو گی؟"

"وہ... ان کا کیا حال ہے؟" آصف نے کانپ کر کہا۔
"زخمی ہیں... سب انپکٹر شاہد بھی زخمی ہیں۔"
"اوہ؟ اس نے کہا اور فوراً دروازہ کھول دیا،
باہر واقعی ایمبولینس کھڑی تھی... انھوں نے استاد کو اس میں لٹایا... اور ان تینوں کے ہاتھ پیر باندھ کر ایمبولینس میں ڈالا... اور روانہ ہوئے... راستے میں ان تینوں کو تو انھوں نے ایک سٹھانے کے حوالے کیا... اور ہسپتال پہنچے... زخمی کے بارے میں ہدایات دے کر وہ اس کمرے کی طرف دوڑے... جس میں ان دونوں کو رکھا گیا تھا... اندر داخل ہوئے تو انپکٹر کامران مرزا اور شاہد پر نظر پڑی... وہ ہوش میں تھے..."

"گھبرانے کی بات نہیں... میری ٹانگ میں گولی لگی

ہے... اور شاہد کے بازو میں۔"
"لیکن یہ ہوا کیسے؟"

"ابھی پہلی فائرنگ سے سنبھلا ہی تھا کہ ایک اور کار گزری... اور بس گولی ران میں آ گئی... دراصل اس طرف خیال گیا ہی نہیں کہ ایک کے بعد کوئی دوسرا بھی آ جائے گا؟ اور انکل کس طرح زخمی ہو گئے؟"

"یہ بھی اسی وقت وہاں سے گزرے تھے... مجرم انھیں بھی اچھی طرح جانتا تھا۔"

"ہوں... ویسے آبا جان... یہ سارا چکر ہے اس خزانے کا؟"
"ارے! اچھا... لیکن وہ ہمارے قبضے میں تو ہے نہیں کہ یار لوگ ہم پر حملے کر رہے ہیں... ارے ہاں... تم لوگوں کے ساتھ کیا گزری؟"

"ذور دار... آصف مسکرایا۔"

"ذور دار... کیا مطلب؟"

"اور انھوں نے ذور دار کی تفصیل سنا دی،
"بہت خوب... تب تو تم فوراً اس کے پاس پہنچ جاؤ،
"ڈاکٹروں سے کہو... وہ فوراً اسے ہوش میں لانے کی کوشش کریں... تاکہ وہ کم از کم اس شخص کا حلیہ تو بتا ہی سکے،
جس نے ہمیں اس تک پہنچایا تھا۔"

”جی بہتر... ہم دراصل آپ کے سلسلے میں پریشان تھے۔
 ”کوئی خاص بات نہیں ہے... جاؤ۔ وہ کام ضروری ہے۔“
 انھوں نے کہا۔

تینوں زخمی کے کمرے میں آئے... اس کی مرہم پٹی کی
 جا رہی تھی...

”ڈاکٹر صاحب... ہم چاہتے ہیں... یہ فوری طور پر ہوش
 میں آ جائے... ہمیں اس سے ایک بہت اہم بات
 پوچھنا ہے۔“

”یکم طور پر پٹی ہو جانے سے پہلے تو یہ ہوش میں
 آ نہیں سکتے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”اوہ خیر...“ آصف نے مایوسانہ انداز میں کہا۔
 ”میںوں اسی کمرے میں موجود رہے... پٹی ہونے میں ایک
 گھنٹہ لگ گیا... تب کہیں جا کر ان کا کام ختم ہوا... اب
 ڈاکٹر نے اسے ہوش میں لانے کی تدبیر شروع کی...
 ”ویسے اس وقت انھیں ہوش میں نہیں لانا چاہیے۔“
 ڈاکٹر نے کہا۔

”مسک بہت اہم ہے... اس کی جان سے زیادہ اہم...
 کیوں کہ یہ تو کرائے کا ایک قاتل ہے... اس کو موت
 کی سزا سے کم سزا ملے گی نہیں... اور اگر ہوش میں آنے

میں دیر ہو گئی تو اصل مجرم نہ جانے کہاں کہاں نکل
 جائے۔“

”اچھی بات ہے... ہم اپنی کوشش کیے دیتے ہیں۔“ ڈاکٹر
 نے کہا۔

”بہت بہت شکریہ۔“
 ڈاکٹروں نے مسلسل کوشش کے بعد آخر اس نے آنکھیں
 کھول دیں:

”مہم... میں کہاں ہوں۔“
 ”آپ ہسپتال میں ہیں... آپ کی مرہم پٹی ہو چکی ہے،
 اور اب آپ کی حالت خطرے سے باہر ہے۔“

”لیکن یہ آپ لوگوں نے کیا کیا... اب مجھے جیل میں زندگی
 گزارنا پڑے گی... اور پھانسی کے تختے پر چڑھنا پڑے گا...
 اُٹ... یہ... یہ کس قدر صبر آزما ہے؟“

”میں نے آپ سے یہ بھی تو کہا تھا کہ موت کا وقت مقرر
 ہے... آپ مہربانی فرما کر اس آدمی کا حلیہ بتا دیں... جو

آپ کے پاس ہیرا لے کر آیا تھا۔“
 ”اوہ ہاں... اس کا حلیہ میں بتا سکتا ہوں... وہ ایک
 نوجوان آدمی تھا... لمبے سے قد کا... اور بہت کمزور تھا
 دبلا سا... بال سنہری رنگ کے تھے۔“

”کیا... یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”میں غلط نہیں کر رہا... اس کا حلیہ یہی تھا۔“

ان کے چہروں پر حیرت ہی حیرت نظر آنے لگی...
کیوں کہ زخمی نے جس آدمی کا حلیہ بتایا تھا... اس حلیے پر
صرف اور صرف ایک آدمی فٹ بیٹھا تھا... اور وہ تھا...
ریاض بھائی...

گرٹھا

چند لمحے تک خاموشی طاری رہی، پھر آصف نے کہا:
”مہربانی فرما کر آپ حلیے پر ایک بار پھر اور غور کر
لیں... کہیں آپ کسی اور آدمی کا حلیہ تو نہیں بتا رہے۔“
”مہرگز نہیں... میں نے حلیہ بالکل درست بتایا ہے۔“
”اگر ہم آپ کے سامنے اس آدمی کو لے کر آئیں، تو
کیا آپ اسے پہچان لیں گے۔“

”ہاں بالکل... کیوں نہیں۔“

وہ وہاں سے ہٹ آئے... چہروں پر اب تک حیرت
ہی حیرت نظر آ رہی تھی:

”یہ... آخر کیسے ہو سکتا ہے... ریاض بھائی تو اس
خزانے کا دعوے دار ہے... اسے اگر خزانہ پہلے ہی مل
چکا تھا تو اسے یہ سارا ڈرامہ رچانے کی بھلا کیا ضرورت
تھی... یہ بات کم از کم میرے حلق سے تو نہیں اتر رہی۔“

”خلق میں اترے یا نہ اترے... ہمیں استاد کے استاد کی بات پر غور تو کرنا ہی پڑے گا۔“ فرحت بولی۔

”اس سے کیا یہ بہتر نہیں رہے گا... کہ ہم ریاض بھائی سے بات کر لیں... اور اسے ہسپتال لے آئیں... اس کے سلسلے ہم پہچانتے کے لیے نہیں کہیں گے... بس یونہی اپنے ساتھ لیے نگرے میں داخل ہوں گے... اور اس سے ادھر ادھر کی دو چار باتیں کر کے چلے آئیں گے۔“

”ہوں! اور یہ دیکھیں گے کہ وہ ریاض بھائی کو پہچانتا ہے یا نہیں؟“

”ہاں بالکل... ہو سکتا ہے کہ وہ شخص ریاض بھائی سے ملتا جلتا کوئی شخص ہو... دیکھو نا... دبلا پتلا... فوجران، لمبا قد اور سنہری بال... یہ علیہ تو خاصا عام حلیہ ہے... اس حلیے پر تو بہت سے آدمی فٹ بیٹھ سکتے ہیں... اس حلیے میں کوئی ایسی خصوصیت موجود نہیں ہے... کہ ریاض بھائی کے علاوہ کسی دوسرے کا ہو ہی نہیں سکتا...“ آصف روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

”بہت خوب... تمھاری بات میں بہت وزن ہے، فرحت نے اس کی تعریف کی۔“

”خدا کا شکر ہے... تمہیں میری بات میں وزن تو محسوس

ہوا۔“ آصف نے خوش ہو کر کہا۔

”وزن محسوس کرنے کی کیا بات ہے... وہ تو قم جتنا کھو

میں محسوس کر ڈالوں۔“ آفتاب مسکرایا۔

”لیں بس رہنے دو... تم تو۔“ فرحت نے بڑا سا منہ بنایا۔

وہ اسی وقت ریاض بھائی کے ہاں پہنچے... انھیں دیکھتے

ہی وہ بول اٹھا:

”آپ... کیسے کیسے آنا ہوا؟“ لعجہ ناخوش گوار تھا۔

”آپ کے خزانے کا سراغ لگاتے پھر رہے ہیں؟“

”تو کیا میرا خزانہ میرے ہاں ہی تلاش کریں گے آپ؟“

اس نے بڑا سا منہ بنایا۔

”آپ نے سنا نہیں... چراغ تلے اندھیرا؟“

”کیوں... اس سے کیا ہوتا ہے؟“

”تو آپ کا مطلب ہے... اس سے کچھ ہوتا ہی نہیں؟“

آصف نے آنکھیں نکالیں۔

”پتا نہیں... ہوتا ہے یا نہیں کچھ... آپ کو ذرا ہمارے

ساتھ چلنا ہے... آپ کے خزانے کا سراغ لگتا محسوس

ہوتا ہے؟“

”ارے... کیا واقعی؟“ اس نے چونک کر کہا۔

”ہاں! بالکل۔“ آفتاب مسکرایا۔

”تو پھر چلیے... کہاں چلنا ہے؟“
 ”آپ کو ہم ایک زخمی کے پاس لے جا رہے ہیں... آپ
 خاموشی سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے رہتے گا اور
 ہاں اپنے بال ٹوپی وغیرہ میں چھپا لیں... لایسے میں آپ
 کے چہرے پر ایک تل بھی لگا دوں۔“
 ”لیکن... کیوں... اس کی کیا ضرورت ہے؟“

”ہمیں ایک تجربہ بھی کرنا ہے۔“
 ”پتا نہیں... کیا چکر ہے۔“ اس نے الجھن کے عالم میں کہا۔
 ”بس دیکھتے جائیں... آپ کا خزانہ *إن شاء اللہ* مل
 جائے گا۔“

”آپ کے منہ میں گھی شکر۔“ ریاض بھائی نے کہا۔
 ”اب اس محاورے کا زمانہ نہیں رہا... آپ یوں کہ
 لیں... آپ کے منہ میں موتی چوڑ کے لڈو۔“
 ”خیر خیر... میں آپ کو موتی چوڑ کے لڈوؤں سے لاد
 دوں گا۔“

”ہمیں ایسا کوئی شوق نہیں... کسی وقت لڈو سامنے آ
 جائیں تو مشکل سے ایک لڈو کھا سکتے ہیں ہم۔“
 ”ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔“ فرحت نے خیال دلایا۔
 ”انہوں نے تل لگا کر چیلے میں بالکل معمولی سی تبدیلی کر

دی... اور بال ٹوپی میں چھپا دیے... اب اگر ریاض بھائی ہی غور
 وہ ہیرا اس کے پاس لے کر گیا تھا... تب تو وہ اس تبدیلی
 کے باوجود فوراً اسے پہچان لیتا... ورنہ ہرگز نہیں پہچان سکتا
 تھا اور یہی وہ دیکھنا چاہتے تھے...“

جلد ہی وہ ہسپتال پہنچ گئے... کمرے میں داخل ہونے
 تو زخمی ہوش میں ہی تھا...
 ”آئیے جناب کیا رہا...“

”کس سلسلے میں...“
 ”آپ اس چیلے کے آدمی کو لینے گئے تھے نا... تاکہ میں
 پہچان سکوں؟“

”اوہ ہاں... وہ آدمی... خیر... اس کی بات فی الحال چھوڑیں
 اور یہ بات بتائیں... اس وقت ہیرا کسی چیز میں لپٹا ہوا
 تھا یا ایسے ہی تھا۔“

”جی نہیں... اس کا باقاعدہ ایک پکیٹ بنایا گیا تھا۔“
 ”اوہ! اچھا... اب ذرا انھیں دیکھیے... انھیں آپ نے
 کہیں دیکھا ہے...“ انہوں نے ریاض بھائی کی طرف اشارہ
 کیا...

زخمی نے انھیں غور سے دیکھا اور سمپر نفی میں سر ہلاتے
 ہوئے بولا:

”جی نہیں... یہ کون صاحب ہیں؟“
 ”اچھا اب انہیں دیکھیے...“ یہ کہتے ہوئے آصف نے ریاض
 بھائی کے چہرے سے میک آپ اتار دیا... ٹوپی بھی سر
 پر سے ہٹا لی... زخمی اب بھی بے خیالی میں اسے دیکھتا
 رہا... مہر بولا:

”نہیں جناب! میں انہیں نہیں جانتا۔“
 ”اب اس عیے کے الفاظ دہراؤ...“ آفتاب نے منہ بنایا۔
 ”حلیہ... ارے... حلیہ تو ان کا وہی ہے... ہاں ہاں... یہی
 آدمی ہیرا لے کر میرے پاس آیا تھا۔“ زخمی لے چلا کر کہا۔
 ”جی... کیا مطلب... یہ... یہ حضرت کیا کہہ رہے ہیں...“
 ”میں تو آج انہیں پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں؟“
 ”اس کا کہنا ہے کہ کسی نے اس کی خدمات حاصل کی
 تھیں... یہ کرائے کا قاتل ہے... آپ کے عیے کے ایک
 آدمی نے اسے ایک ہیرا پہنچایا تھا اور کسی نے فون پر
 ہمارے قتل کی بات کی تھی... یعنی وہ ہیرے کے بدلے
 ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دے گا... نتیجہ یہ کہ
 اس وقت میرے والد اور انکل زخمی پرے ہیں اور ہم بال
 بال بچے ہیں؟“
 ”نہیں... نہیں... بھلا میں ایسا کیوں کرنے لگا... آپ لوگ

تو میرے لیے میرا خزانہ تلاش کر رہے ہیں... آپ مارے گئے
 تو مجھے خزانہ کون تلاش کر کے دے گا؟“

”ہاں! یہی تو ہم کہتے ہیں... آپ بھلا کیوں ہمیں اپنے
 راستے سے ہٹانے لگے... لیکن پھر ایک وجہ سمجھ میں آگئی؟“
 آفتاب مسکرایا۔
 ”وجہ... کیا وجہ؟“

”یہ کہ خزانہ تو پہلے ہی آپ حاصل کر چکے تھے... اب
 تو آپ صرف ڈرامہ کر رہے ہیں؟“
 ”یہ آپ نے ایک اور عجیب بات کہی... آخر ایسا کرنے
 کی مجھے کیا ضرورت... کیا فائدہ، یہ بھی تو بتائیں نا آپ؟“
 اس نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔
 ”ہم وجہ کی تلاش میں بھی ہیں... آپ فکر نہ کریں، ہم
 وجہ تلاش کر لیں گے۔“

”اب میں سمجھا... آپ نے مجھ پر میک آپ کیوں کیا
 تھا۔“ ریاض بھائی بولا۔

”ان حضرت کا بیان یہی تھا کہ آپ کے عیے کے ایک آدمی
 نے ہیرا ان تک پہنچایا تھا... آپ کا حلیہ سن کر ہم چونک
 اٹھے... اب اگر آپ کو بغیر کسی تبدیلی کے اس کے سامنے
 لاتے تو یہ فوراً بول اٹھتا... ہاں... یہی وہ شخص ہے جس

نے ہیرا لا کر دیا تھا۔

”یہ تو اس نے اب بھی کہہ دیا ہے۔“

”بہت دیر بعد میں... اگر کوئی شخص آپ کے حیلے میں ہیرا دے کر گیا تھا تو پھر یہ صرت اسی آدمی کو دیکھ کر یہ کہہ سکتا تھا... جی ہاں... یہی وہ آدمی ہے جس سے میں نے ہیرا لیا تھا۔“ آصف نے جلدی جلدی کہا۔

”پتا نہیں کیا چکر ہے... میں کچھ نہیں سمجھ پا رہا۔“

”آپ اپنے گھر جا کر آرام کریں... ہم یہ معاملہ خود نپٹا لیں گے۔“

”اُل... لیکن میرا خزانہ... اس ہیرے کا مطلب تو یہ ہے کہ جس نے وہ ہیرا اسے دیا ہے... میرا خزانہ اسی کے پاس ہے۔“

”ہاں! ایسا بھی ہو سکتا ہے... اور ایک اور بات بھی ہو سکتی ہے۔“

”وہ ایک اور بات کیا ہے؟“

”یہ کہ... یہ چکر خزانہ کا ہو ہی نہ... کسی سازش کے تحت وہ دیگ وہاں دفن کی گئی ہو اور ایک ہیرا اس میں ڈال دیا گیا ہو۔“

”لیکن کوئی ایسا کیوں کرے گا... اور پھر اس کام میں تو

ایک ہیرا بھی ضائع ہو جائے گا... اس کا... کیا وہ اتنا ہی مال دار ہے... کہ سازش کے سلسلے میں ہیرے تک داؤ پر لگا دے۔“

”ہوتے ہیں ایسے لوگ بھی... اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے سارا کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں۔“

”آپ جانیں... آپ کا کام۔“

”آپ اپنے کاغذات ہمیں دے دیں... ہم ایک بار پھر ان کاغذات کو اچھی طرح چیک کرائیں گے... اگر کسی طرح وہ غلط ثابت ہو جاتے ہیں... تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ سارا ڈرامہ آپ کر رہے ہیں۔“

”لیکن اس کے لیے آپ کو یہ بھی بتانا پڑے گا... کہ میں ایسا کیوں کرنے لگا۔“

”ہاں! اور ہم آپ کو بتائیں گے... بلاوجہ تو آپ کو نہیں بھانسیں گے... اچھا اب ہم چلتے ہیں۔“

وہ اٹھ کھڑے ہوئے... ریاض بھائی نے اپنے گھر کا رخ کیا...

”اب ہم کہاں جائیں؟“

”اس گڑھے کے آس پاس کا جائزہ لیتے ہیں... یہ چکر گہرا ہوتا جا رہا ہے... کوئی ہماری جان تک لینے پر تلی

گیا ہے... اور ایسا اس گڑھے میں دیگ مل جانے کے بعد
ہوا ہے... پہلے نہیں... گویا دیگ کے مل جانے کے بعد
کسی کو پریشانی شروع ہو گئی ہے... آخر کیوں؟
"اس کیوں کا جواب تو ریاض سھائی کے پاس بھی

نہیں ہے۔"
"اچھی بات ہے... وہیں چلتے ہیں... کچھ نہ کچھ کام تو
کرنا ہو گا۔"

وہ سردار خان کی کومٹی کے عقب میں پہنچے... اب دن
کا وقت تھا... انھوں نے بغور اس دیگ کا جائزہ لیا...
دیگ کو گڑھے میں جوں کا توں چھوڑ دیا گیا تھا...
"یہ دیگ سھلاکتی پرانی ہو گئی۔"
"سو سال پرانی تو ضرور ہو گئی۔"

"اس کا مطلب ہے... ڈرامہ کرنے والوں کو سو سال پرانی
دیگ بنوانی پڑی ہو گی... ارے واہ... مزا آ گیا۔"
"کہاں ہے؟ آفتاب نے خوش ہو کر ادھر ادھر دیکھا...
سچر مایوس ہو گیا..."

"کیا دیکھ رہے ہو؟ آصف نے سھلا کر کہا۔
"ابھی ابھی فرحت نے کہا نہیں... مزا آ گیا... بس اسی
کو دیکھ رہا تھا... لیکن مجھے تو دور دور تک کسی مزے کے

آثار نظر نہیں آ رہے۔"
"یار تم اپنے دماغ کا علاج کراؤ۔ آصف جل کر بولا۔
"اور آنکھوں کا کیوں نہیں؟ فرحت نے حیران ہو
کر کہا۔"

"اس لیے کہ مزے کو دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں یہ
حضرت... اس میں قصور ان کی آنکھوں کا نہیں... دماغ
کا ہے۔"

"آؤ چلیں... یہاں شہر میں ایک ایسی جگہ موجود ہے، جہاں
دیگیں بنتی ہیں... فرحت نے پرجوش انداز میں کہا۔
"وو... دیگیں... اب ہم دیگیں بنانے والوں کے پاس جائیں
گے۔ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔"

"کیسے مل کرنا ہے... تو یہ سب کچھ کرنا ہو گا... ہاتھ
پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے سے تو کام نہیں ہوتے۔"
"ان کاموں میں بس یہی برسی بات ہے۔ آفتاب نے
سھلا کر کہا۔"

"حد ہو گئی... میں کہتی ہوں چلو۔"
"بھئی پہلے... اس جگہ کو... کو... کو..."
"آصف کی زبان اٹکنے لگی...
"پرانے زمانے میں جو توڑے کی مانند گانوں کے ریکارڈ

ہوتے تھے نا... وہ جب اٹک جاتے تھے... میرا مطلب ہے...
جب سوئی ان پر اٹک جاتی تھی تو اسی طرح ایک لفظ بار
بار سنائی دینے لگتا تھا... "آفتاب لے گویا ان کی معلومات
میں اضافہ کیا۔

"وہ... وہ دیکھو... وہ کیا ہے۔" آصف نے اشارہ کیا۔
دیگ کے پاس ہی گڑھے میں کسی چیز کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے آصف کی آواز کانپ گئی تو آفتاب اور فرحت
بھی فوراً سنجیدہ ہو گئے...

"ارے... یہ... یہ... یہ کیا؟"
انسانی بازو... فرحت نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں واقعی... یہ تو انسانی بازو ہے... لیکن جب ہم
نے گڑھا کھودایا تھا... یہ بازو اس وقت نظر نہیں آیا تھا۔"

"آتا بھی کیسے... یہ دیکھو... دیگ برابر میں ایک طرف سوراخ
سا بنا ہوا ہے... اور جب ہم یہاں آئے تھے تو میں نے

ایک کتے کو گڑھے میں سے نکل کر جاتے دیکھا تھا... اس کے
منہ میں کوئی چیز تھی... لیکن اس وقت میں توجہ نہیں دے

سکا تھا... اب خیال آیا... اس کے منہ میں کوئی انسانی جم
کا حصہ تھا...

"نہ... نہیں... فرحت خوف زدہ انداز میں چلا اٹھی۔

"اس کا مطلب ہے... دیگ کے ساتھ ہی کوئی لاش بھی
دفن کی گئی تھی... کتے نے بو پا کر اپنے پنجوں سے زمین
مزید کھودی اور کوئی حصہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا...
لیکن یہ تو صرف ہڈی ہے... کتے کے کس کام کی؟"

"اب کتے کو یہ تو معلوم نہیں تھا کہ وہاں لاش کی بجائے اب
صرف ہڈیوں کا پنجر ہو گا... میرا خیال ہے... ہمیں یہاں درجاً
آدمیوں کو بلا کر کھدائی کروانا پڑے گی۔"

"ہاں اب اور کیا کیا جا سکتا ہے؟"
انہوں نے فوراً کار میں لگے فون کے ذریعے دفتر سے رابطہ

تاکم کیا... اور انکپٹر کارمان مرزا کے ایک ماتحت کو ہدایات دیں۔
جلد ہی وہاں چند سادہ لباس والے پہنچ گئے اور پھر

کھدائی شروع ہوئی... صرف چند منٹ بعد انہیں انسانی ڈھانچہ
نظر آنے لگا... لیکن پھر کھدائی کرنے والے چلا اٹھے،

"اوہ... یہ... یہ کیا؟"
ان کی آواز میں لرزش تھی... خون تھا... وہ چونک اٹھے...

اور گڑھے پر جھٹک گئے... ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے
پھیلی چلی گئیں...

گم شدہ معمار

گڑھے میں سے ایک پنجر نکال لیا گیا تو ساتھ ہی دوسرا نظر آیا تھا اور اس بات نے ان کی سٹی گم کر دی تھی... اب انہیں مزید کھدائی کرنا پڑی... اور یہ تو ان کے اوسان اور بھی خطا ہو گئے... جب دوسرے کے بعد تیسرا پنجر بھی نکل آیا...

”یا اللہ رحم... آخر یہاں کتے انسان دفن ہیں؟“
”بس... یہ تین ہی تھے شاید... کیوں کہ اور تو نظر نہیں آ رہا۔“ ایک سادہ لباس والے نے کہا۔

”جی نہیں... ابھی ہمیں اور کھودنا پڑے گا... اور آدمی بڑا لیس... آصف نے خشک انداز میں کہا۔

اور آدمی بلوائے گئے... دیگ کے ارد گرد خوب کھدائی کی گئی... لیکن کوئی اور پنجر نہ ملا...

”اس کا مطلب ہے... اس دیگ کے سامنے تین آدمی

بھی دفن کیے گئے تھے... پتا نہیں کیا چکر ہے۔“
”چکر اب اور گہرا ہو گیا ہے۔“ فرحت بڑبڑائی۔
”اب تو میں سوچ رہا ہوں... ان چکروں کی پیمائش کے لیے ایک آلہ بنوا دیا جائے۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔
”اب سردار خان سے ملن بھی ضروری ہو گیا ہے۔“ فرحت نے کہا۔

”ہاں! اس نئی صورت حال کی اطلاع تو انہیں دینا ہو گی؟“ آصف نے سر ہلایا۔

”وہ چکر کاٹ کر کوٹھی کے دروازے پر آئے... دسک دی... ملازم نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور چلا گیا، جلد ہی سردار خان اندر داخل ہوا:

”فرمائیے! اب میں آپ لوگوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“ اس نے کہا۔

”آپ کو ایک خبر سنانے کے لیے آئے ہیں۔“ آفتاب نے گنگنائے کے انداز میں کہا۔

”سنائیے پھر...“
”اس گڑھے کے برابر میں سے تین انسانی پنجر برآمد ہوئے ہیں؟“

”کیا کہا... بین انسانی پنجر۔“ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا... چہرے

پر خون دود گیا...

"اے! جناب... آپ بے شک چل کر دیکھ لیں۔"

"مضروب... آئیے۔"

وہ ان کے ساتھ اس گڑھے تک آیا... اور پھر پھر پھر کانپنے

لگا...

"یا اللہ رحم... یہ سب کیا ہے؟"

"یہی ہم سوچ رہے ہیں... یہ سب کیا ہے؟"

"م... میں تو اب اس خزانے پر اپنا حق جتانے سے باز

آیا... یہ معاملہ تو انسانی جانوں تک پہنچا ہوا ہے... اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"گویا اب عدالت میں آپ کا وکیل پیش نہیں ہو گا... اور

آپ کا حق ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرنے گا۔"

"نہن... نہیں... وہ ہکلیا۔"

"خیر... یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے... ہمارا کام تھا آپ

کو اطلاع دے دینا... اور وہ ہم نے دے دی... ویسے یہ

جگہ آپ نے کب خریدی تھی... میرا مطلب ہے... ریاض بھائی

کے والد سے؟"

"آج سے بیس سال پہلے؟"

"شکریہ... آپ ذرا ہیں اس کے کاغذات دے دیں۔"

"جی بہتر... آئیے۔"

وہ پھر کوشی میں آئے... چند منٹ بعد کاغذات لے کر وہ

باہر نکل آئے... اب ان کا رخ دیگیں بنانے والے لوگوں

کی طرف تھا... ان لوگوں نے انہیں حیران ہو کر دیکھا... پھر

ایک نے کہا:

"ہم آپ کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔"

"اگر ہم پرانے زمانے کی ایک دیگ بنانا چاہیں تو کیا

آپ بنا دیں گے؟"

"بس آپ ڈیزائن کاغذ پر بنا دیں... ہم دیگ بنا دیں

گے۔ وہ بولا۔"

"آپ میں سے ایک دو آدمیوں کو ہمارے ساتھ چلنا پڑے

گا... ہم آپ کے وقت کی قیمت آپ کو دیں گے؟"

"اچھی بات ہے... چلے چلتے ہیں۔"

وہ ان کے ساتھ اس گڑھے تک آئے... دیگ کا معائنہ

کیا اور بولے:

"بنا دیں گے جناب... لیکن آپ کریں گے کیا اس کا۔"

"پہلے یہ بتائیں... یہ دیگ کتنی پرانی ہو گی؟"

"شاید سو سال پرانی۔"

"ایسا تو نہیں... کچھ عرصہ پہلے کسی نے آپ لوگوں سے

ایسی دیگ بنوائی ہو۔

”کم از کم ہم سے تو نہیں بنوائی۔“

”شہر میں کچھ اور لوگ بھی ہیں دیگیں بنانے والے۔“
”جی نہیں۔“

”اچھی بات ہے... آپ کے ہاں کوئی بڑے بوڑھے
ہیں... ہم ان سے بھی چند سوالات کرنا چاہتے ہیں۔“
”میرے والد ہیں... دادا ہیں۔“

”بہت خوب! آئیے چلیں۔“
وہ ان کے ساتھ واپس پلٹے... باپ اور دادا سے
ملاقات کی...

”آپ سے کبھی کسی نے پرانے ڈیزائن کی... دیگ بنوائی
ہے... دیکھیے اس سوال کا جواب دے کر آپ قانون کی
مدد کریں گے۔“

”جی نہیں... ہم سے تو کسی نے کوئی پرانے ڈیزائن کی
دیگ نہیں بنوائی... آج کل تو لوگ کہتے ہیں... نئے ڈیزائن کی
بنا کر دیں۔“

”شکریہ! پھر بھی آپ یاد کرنے کی کوشش کیجیے گا۔“

”اچھی بات ہے۔“

انھوں نے مناسب معاوضہ ان کے وقت کا دیا، اور

وہاں سے چلے آئے...

”اگر یہ سچ بول رہے ہیں اور کوئی بڑا لالچ دے
کر انھیں جھوٹ بولنے پر آمادہ نہیں کیا گیا تو پھر وہ
دیگ سو سال پرانی ہی ہے... لیکن وہ ڈھانچے سو سال
پرانے نہیں لگتے... اب ان کو بھی ماہرین کے ذریعے چیک
کروانا پڑے گا۔“

”ہوں! ٹھیک ہے۔“

سادہ لباس والوں کے ذریعے انھوں نے ڈھانچے ماہرین
کے پاس بھیجا دیے... اور رپورٹ کا انتظار کرنے لگے...
اس دوران انھوں نے ایک چکر ہسپتال کا لگایا... دونوں کی
حالت بہت بہتر تھی... انھیں تازہ حالات بتائے... تو
ایکسر کا مران مرزا کی آنکھوں میں چمک دوڑ گئی... بولے:
”اب تو یہ معاملہ جرم کا بن گیا؟“

”ہاں انکل... اس خزانے کے سلسلے میں تین انسانوں
کو قتل بھی کیا گیا تھا... دیگ پرانی ہی ہے... پرانی طرز
کی بنوائی نہیں گئی... ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟
یہ کہ یہ چکر ہے خزانے کا ہی۔“

”بالکل ٹھیک۔“ وہ بولے۔

”اب ہم پہلے ڈھانچوں کی رپورٹ حاصل کریں گے۔“

پھر کوئی قدم اٹھائیں گے۔
 "ہم بھی جلد یہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
 یہ ڈاکٹر لوگ بھی عجیب ہیں... اجازت ہی نہیں دے رہے۔
 آپ دونوں ابھی آرام ہی کر لیں... ہم یہ کیس حل
 کر لیں گے۔"

لیکن جیسی... یہ بہت خطرناک ہے... دیکھ نہیں رہے۔
 انھوں نے ہمیں ہسپتال پہنچا دیا ہے: انپکٹر کامران مرزا
 نے کہا۔

جی ہاں! یہ ہے... لیکن آبا جان... موت اور زندگی
 تو اللہ کے ہاتھ ہے۔

"اس سے کسے انکار ہے؟ وہ مسکرائے۔
 تینوں وہاں سے گھر آگئے... اسی وقت ایک سادہ لباس
 والا رپورٹ لے آیا... انھوں نے رپورٹ کا معائنہ کیا...
 اور حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے... رپورٹ کے مطابق ان
 تینوں ان دنوں کو پچیس اور تیس سال کے اندر ہلاک کیا گیا
 تھا... اس سے زیادہ پہلے نہیں...

رپورٹ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد انھوں نے ایک
 دوسرے کی طرف دیکھا...
 "اس رپورٹ کی روشنی میں... یہ بات صاف طور پر کہی جا

سکتی ہے... کہ خزانہ پچیس، تیس سال پہلے اس دیگ سے
 نکالا جا چکا ہے۔
 "ہاں! بالکل۔"

"لیکن وہ کون تھا... جس نے خزانہ نکالا؟
 "اس وقت تو پھر اس جگہ پر ریاض بھائی کے والد
 کا ہی قبضہ تھا۔"

"تب پھر... یہ کام ریاض بھائی کا ہی ہے۔
 لیکن اس وقت تو ریاض بھائی... صرف ایک بچہ
 ہو گا۔"

"میرا مطلب ہے... خزانہ اس کا والد حاصل کر چکا تھا۔
 اور ان تینوں انسانی ڈھانچوں کو کس خلعے میں فٹ
 کریں گے؟"

"وہ خزانے کے راز سے واقف ہو گئے تھے... لہذا انھیں
 ٹھکانے لگا دیا گیا۔"
 "ہوں... اور خزانہ؟"

"خزانہ ریاض بھائی کے والد نے کہیں اور منتقل کر دیا؟
 پھر اس نے یہ راز اپنے بیٹے کو کیوں نہیں بتایا...
 اور وہ اپنے آبائی خزانے کی تلاش میں کیوں مارا مارا
 پھر رہا ہے؟"

”جی بس... کیا بتائیں... کھانا تو آج ہمیں کھا رہا ہے۔
آفتاب مسکرایا۔

”اس سے زیادہ اوٹ پٹانگ بات شاید میں نے آج تک
نہیں سنی ہو گی۔“ وہ بولیں۔

”ابھی کیا ہے آنٹی... پتا نہیں آپ کیا کیا سہیں گی...
فرحت مسکرائی۔

”گدیا تم کھانا نہیں کھاؤ گے۔“

”مسند بہت میڑھا اڑا ہوا ہے... ہم چاہتے ہیں اپنے
کچھ کام کر لیں؟“

”اچھی بات ہے... تمہارے ابا جان اور شاہد بھائی کا
کیا حلال ہے۔“

”وہ بہت بہتر ہیں اور ہسپتال سے فارغ ہونے ہی والے
ہیں... اسی لیے تو ہم کچھ کر گزرنے کے چکر میں ہیں...
وہ آگئے تو پھر ہمیں کیا خاک کام کرنے کا موقع ملے
گا۔“ آفتاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا بابا...“ انھوں نے جھلا کر کہا۔

”وہ لائبریری میں گھس گئے... اخبارات کے پلندے
انھوں نے اپنے سامنے ڈھیر کرنا شروع کر دیے... آخر
ان تاریخوں کے اخبارات نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔“

”اب یہ مجھے کیا معلوم۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”یوں بات نہیں بنے گی... آخر یہ تین انسان غائب ہوئے
تھے... اس وقت اخبار میں ان کی گم شدگی کی خبر تو چھپی
ہو گی۔“

”اوہ ہاں... واقعی۔“

”لیکن آخر... ہم اس طرح کتنا ریکارڈ تلاش کر سکتے ہیں
ہم تو اخبارات دیکھتے دیکھتے پورے ہو جائیں گے۔“

”زمین فروخت کرنے سے پہلے... ذرا پہلے کے اخبارات
دیکھنے ہوں گے... انسانی ڈھانچوں کے بارے میں جو اندازہ

لگایا گیا ہے... اس سے تھوڑا بہت فرق بھی ہو سکتا
ہے۔“ اصف نے کہا۔

”تمہارا مطلب ہے... جب ریاض کے والد نے اپنا
مکان... فروخت کیا... اس وقت کے اخبارات... فرحت
نے کہا۔

”ہاں!“

”یہ کام تو خیر اتنا مشکل نہیں ہو گا... آؤ چلیں۔“

”وہ گھر آئے... اور لائبریری کا رخ کر ہی رہے تھے
کہ بیگم کامران مرزا بولیں:

”یہ کیا شرافت ہے... کھانا نہیں کھاؤ گے۔“

جب سردار خان نے جگہ خریدی تھی... ایک وقت میں تین اخبارات دیکھے جانے لگے... وہ سرخیوں پر نظریں دوڑاتے چلے گئے... اس کام میں انھیں کئی گھنٹے لگ گئے... یہاں تک کہ بیگم کامران مرزا ایک بار پھر لائبریری کے دروازے پر آئیں اور جھلا کر بولیں:

کوئی مدد بھی ہے؟

اُمی جان... ابھی ہمیں کچھ نہ کہیں... ہم بہت بُری طرح چھنے ہوئے ہیں... بس تھوڑی دیر اور...
”اچھی بات ہے...“ انھوں نے پاؤں پیچ کر کہا اور

چلی گئیں...

”یہ دیکھو... ایک خبر... تین معمار گم ہو گئے...“ آصف نے چونک کر کہا۔

”کیا کہا... تین معمار... ارے ہاں... وہ معمار بھی ہو سکتے ہیں... یہ ضروری نہیں... کھدائی کرنے والے مزدور ہی ہوں۔“

انھوں نے جلدی جلدی خیر پڑھی... لکھا تھا:
”تین معمار گم ہو گئے...“

دارالحکومت (۸ جولائی) محلہ فیض آباد کے کچھ لوگوں نے پولیس اسٹیشن میں رپورٹ درج کرائی

ہے... کہ تین معمار کئی روز سے اپنے گھر نہیں لوٹے... کچھ دن پہلے وہ صبح کام پر نکلے تھے اور لوٹ کر نہیں آئے... ان کی گم شدگی کی رپورٹ درج کر لی گئی ہے... محلے والوں نے بتایا کہ وہ تینوں بھائی ہیں اور اکٹھے ایک گھر میں رہتے ہیں... ان کے گھر میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا... اس لیے رپورٹ لکھوانے کا کام انھیں کرنا پڑا ہے۔“

”یہ خبر ہمارے کام کی لگتی ہے...“ آصف بڑبڑایا۔
”لیکن یہ خبر... اس وقت کی ہے... جب سردار خان مکان خرید چکا تھا...“ فرحت نے اعتراض کیا۔
”تو پھر... اس سے کیا ہوتا ہے...“ آصف نے کہا۔
”ہوتا اس سے یہ ہے کہ...“ فرحت کچھ نہ کہ سکی۔
”بس رہتے دو... ہو گیا معلوم... ہوتا اس سے کیا ہے“
”بات سمجھ میں آتی ہے ایک...“ آفتاب نے کھوٹے کھوٹے انداز میں کہا۔

”اور وہ کیا... آصف اور فرحت ایک ساتھ بولے۔“

”انہی تاریخوں میں سردار خان نے اپنی کوبھٹی کی تعمیر شروع کروائی اور انہی تاریخوں میں یہ تینوں غائب ہوئے،

اب ان کے ڈھانچے اس گڑھے سے ملے ہیں۔
 ”خیر... یہ تو ضروری نہیں ہے کہ یہ انہی تین آدمیوں
 کے ڈھانچے ہوں۔“

”اس بات کا امکان تو ہے ہی۔۔۔“

”ٹھیک ہے... فرض کر لیتے ہیں کہ یہ ڈھانچے انہی تین
 معماروں کے ہیں... گویا وہ وہاں کام کر رہے تھے...
 اچانک انہیں خزانہ نظر آ گیا اور پھر انہیں قتل کر دیا
 گیا۔۔۔“

”لیکن کس نے... سردار خان نے تو اس جگہ کو اپنی کوٹھی
 میں داخل ہی نہیں کیا تھا... اس نے تو اس حصے پر کوئی
 چیز تعمیر ہی نہیں کروائی تھی۔“
 ”ہاں! یہ بات بھی ہے... بہر حال... ہم سردار خان سے
 بات تو کر ہی سکتے ہیں۔“

”ضرور کیوں نہیں... اوہو... یہ ایک اور خبر۔۔۔“
 فرحت نے چونک کر کہا... تینوں نے اس خبر پر نظریں
 جما دیں...

وہ چیز

خبر یہ تھی،

زمین مہار نقدی اڑالے گئے...
 دارالحکومت دیکم جولائی، ایک کوٹھی کی تعمیر پر لگائے
 گئے تین معمار کوٹھی بنوانے والے کے دفتر سے قریباً
 تیس ہزار روپے اڑالے گئے... کوٹھی بنوانے والے
 شخص کا نام سردار خان بتایا جاتا ہے... اس کا
 بیان ہے کہ ان کے دفتر کی میز کی دراز میں نقد
 رقم موجود تھی... جو انھوں نے معماروں اور
 مزدوروں کو اجرت دینے کے سلسلے میں اسی روز بیک
 سے نکلوا کر وہاں رکھی تھی... لیکن وہ میز کی
 دراز کو تالا لگانا بھول گیا... تین معمار کسی کام
 سے اندر آئے... وہ اس وقت اپنے دفتر میں نہیں
 تھا... واپس لوٹا تو نقد رقم غائب تھی اور ساتھ

میں وہ تینوں معمار بھی ... لہذا ان کے خلاف رپورٹ
درج کر کے تفتیش شروع کر دی گئی... ابھی تک
لمبوں کا کوئی پتا نہیں چل سکا۔

خبر پڑھ کر انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا،
”یہ تو نیا چکر نکل آیا...“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”سمتانے جا کر پرانا ریکارڈ نکوانا پڑے گا۔“ فرحت بڑبڑائی۔
”پرانے کیسوں میں یہی تو بڑی بات ہے کہ پرانی فائلیں
نکوانا پڑتی ہیں... اور متعلقہ سمتانے والے ناک بھوں چڑھتے
ہیں۔“ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

”ہاں اور خیال کرتے ہیں... کہ ہم اپنا وقت تو ضائع کر
ہی رہے ہیں... ان کا بھی کرنے پر اتر آئے ہیں۔“
”اب کیا کیا جائے... ہم ان کی مرضی کے مطابق تو کیسوں

پر کام نہیں کر سکتے... وہ لوگ تو بیس پچیس سال پرانے
کیسوں کی فائلیں نکالنے کے بارے میں کبھی سوچتے بھی نہیں۔“
”وہ تو ایک دو ماہ گزر جانے کے بعد فائلیں نہیں کھولتے،
بیس پچیس سال پہلے کی بات تو رہی دور۔“

”اگر اس کیس کی اس وقت ہی صیح تفتیش کر لی جاتی
تو آج یہ معاملہ ہمیں نہ پیش آ سکتا۔“
”ہاں شاید؟“ فرحت بولی۔

اور پھر وہ سردار خان کے ہاں پہنچ گئے...
”ہم اب کامیابی کے قریب پہنچ چکے ہیں جناب! آصف
نے اسے خوش خبری سنائی۔“

”جی... کیا واقعی؟“ اس نے چمک کر کہا۔
”ہاں جناب! لیکن اس سلسلے میں ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت
ہے... امید ہے، آپ تعاون کریں گے۔“

”قانون کی مدد کرنا تو میرا فرض ہے۔“
”جب آپ یہ کوٹھی تعمیر کروا رہے تھے... کوئی تین معمار
آپ کے تیس ہزار روپے لے کر فرار ہوئے تھے۔“

”اوہ! وہ... جی ہاں... ایسا واقعہ ہوا تھا... بہت سال
گزر گئے...“ اس نے سرد آہ بھری۔
”شکریہ! آپ نے رپورٹ درج کرائی تھی۔“
”جی بالکل۔“

”پولیس والوں نے کیا کارروائی کی؟“
”بس وہ ان تینوں کو تلاش کرتے رہے... میں ان سے
بار بار پوچھتا رہا... لیکن انھیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی... اور
آخر کیس فائل کر دیا گیا؟“

”شکریہ... یہ کس قدر عجیب بات ہے... کہ اس کوٹھی کے
پچھلی طرف سے تین انسانی پتے برآمد ہوئے ہیں۔“

”کک... کیا مطلب؟“ سردار خان ہکھلایا۔

”مطلب یہ کہ کیا یہ بات عجیب نہیں ہے کہ اس کو مٹی کے نزدیک سے پچیس تیس سال پہلے دفن کیے گئے مین انسانی لاشے برآمد ہوئے ہیں... گویا جن دنوں چوری کی واردات ہوئی... انہی دنوں ان تینوں کو وہاں دفن کیا گیا تھا۔“

”آپ... آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“

”یہ کہ... جو مین معمار تیس ہزار روپے اڑا کر بھاگے...“

یہ ڈھانچے انہی کے ہیں۔“

”کیا!!!“ وہ بری طرح اچھلا۔

”ہاں جناب... اب آپ کیا کہتے ہیں؟“

”مم... میں... میں کیا کہوں... آپ مجھ سے عجیب سے لہجے میں بات کر رہے ہیں...“ اس نے گھبرا کر کہا۔

”ہاں! جب ہم کسی کیس میں کامیابی کے قریب ہوتے ہیں... تو ہمارا لہجہ ایسا ہی عجیب ہو جاتا ہے... اور اگر الے

موقوفوں پر کبھی آپ میرے والد کا لہجہ سن لیں تو کانپ ہی اٹھیں۔“ آفتاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں تو آپ لوگوں کا لہجہ سن کر ہی کانپ رہا ہوں۔“

اس نے منہ بنایا۔

”تو آپ وضاحت نہیں کریں گے؟“

”کس بات کی؟“

”جن تین معماروں نے آپ کی نقدی چرائی... ان کے لاشے کو مٹی کے پاس کیوں دفن ملے ہیں۔“

”بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔“

”آپ اپنا جواب سوچ لیں... ہو سکتا ہے... آپ کو عدالت میں اس سوال کا جواب دینا پڑے۔“

”آپ تو مجھے ڈرائے دے رہے ہیں۔“ سردار خان نے

گھبرا کر کہا۔

”تو ڈر جائیے نا مہربانی فرما کر... اب ایسی بھی کیا بے خوفی، کہ ہم آپ کو ڈرانے پر تھے ہیں اور آپ ہیں کہ شس سے مس نہیں ہو رہے۔“ آفتاب جلدی جلدی بولا۔

سردار خان اسے گھور کر رہ گیا... اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے...

”ابھی ہمیں ذرا تھانے کا ریکارڈ بھی دیکھنا ہے... اس کے بعد ہم آپ سے دو باتیں کریں گے۔“

”جج... جج... جی۔“ اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی...

وہ تھکانے پہنچے... انکپٹر نے انہیں گھور کر دیکھا... اچھی طرح پہچانتا تھا...

”فرمائیے... کیسے تشریف لائے۔“
 ”آپ کو یہاں کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔“
 ”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے... اس تھانے میں آپ کب سے لگے ہوئے ہیں۔“

”جی... وہ دو سال سے۔“

”تب تو آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں... یہ فائل ذرا لگوا دیں۔“

اس نے فائل کی تاریخ دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا... اور پھر اپنے ایک ماتحت کو ہدایات دیں... آدھ گھنٹے بعد فائل ان کے سامنے تھی... انھوں نے اس کا مطالعہ شروع کیا... فائل میں ان تینوں کے چلے بھی لکھے ہوئے تھے... یہ ساری تفصیلات انھوں نے لکھ لیں... تھانے دار کا شکریہ ادا کر کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے... اب وہ اس تھانے میں آئے... جس میں تین معاروں کی گم شدگی کی رپورٹ درج کرائی گئی تھی... یعنی ان کے پڑوسیوں نے... یہ ریکارڈ بھی نکلوایا گیا... اس فائل میں بھی تینوں کے سب سے درج تھے... اور یہ بالکل وہی چلے تھے... جو چور معاروں کے لکھوائے گئے تھے... کم از کم ایک بات ثابت ہو گئی... جو معار گم ہوئے،

رقم بھی انھوں نے ہی چرائی تھی۔“
 ”لیکن ابھی ہم یہ نہیں کر سکتے... کہ دفن بھی وہی تینوں کیے گئے تھے۔“

”ہاں! اس کے لیے ہمیں ثبوت کی ضرورت ہے... اور ہم ثبوت حاصل کر سکتے ہیں...“ فرحت نے پرجوش انداز میں کہا۔

”وہ کیسے؟“

”گم شدگی کی رپورٹ میں تینوں کے محلے داروں نے لکھوایا ہے کہ وہ تینوں ہاتھوں میں انگوٹھیاں پہننے کے شوقین تھے، انگوٹھیاں بھی سونے کی نہیں عام چاندی کی اور پتل کی... ان انگوٹھیوں پر انھوں نے اپنے اپنے نام کا پہلا حرف لکھوایا ہوا تھا... صاف ظاہر ہے... ان تینوں کو قتل کر کے وہاں دفنایا گیا تھا اور قاتلوں نے وہ انگوٹھیاں اتارنے کی کوشش ہرگز نہ کی ہو گی... ڈھانچوں کی انگلیاں ہمیں نہیں مل سکیں... اگر اب ہم اس گڑھے کی مٹی کو چھنوائیں... اور وہ انگوٹھیاں مل جائیں تو... اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ وہی تین معار تھے... جو گم ہو گئے تھے... اور پھر سردار خان نے جن پر چوری کا الزام لگایا تھا... اور اگر وہ چوری کر کے فرار ہوئے تو اس گڑھے سے ان

کی لاشیں ہرگز برآمد نہیں ہو سکتی تھیں... ڈھانچے برآمد ہونے کا مطلب صرف اور صرف یہ لیا جانے گا کہ انھوں نے چوری ہرگز نہیں کی... بلکہ بات کوئی اور تھی... ہمیں تو انھیں قتل کیا گیا اور وہاں دفن کیا گیا... چور چوری کرنے کے بعد خود کو گڑھوں میں دفن نہیں کر لیتے... وہ تو فرار ہو جاتے ہیں۔

”بالکل ٹھیک... ہمیں یہ کام بھی کرانا ہی ہو گا۔“
انھوں نے مٹی چھنوانے کا انتظام کیا... ایسے میں سرد خان کو بھی بھنک پڑ گئی کہ کوٹھی کے پیچھے کوئی کام ہو رہا ہے... وہ دوڑا آیا...

”یہ... یہ آپ کیا کام کر رہے ہیں۔“
”ثبوت کی تلاش۔“ آصفت بولا۔
”ثبوت... کیا ثبوت۔“

”جن دفنوں آپ نے تین محامدوں کے غلات چوری کا مقدمہ درج کرایا تھا... بالکل انھی دفنوں ایک دو دن کے فرق سے ایک اور رپورٹ درج کرائی گئی تھی... یہ کہ تین محامد غائب ہیں اور اپنے گھلوٹ کر نہیں آئے... تینوں بھائی تھے، کام پر نکلے تھے... لوٹ کر نہ آئے... تو محلے داروں نے رپورٹ گم شدگی کی درج کرائی... ہم اب صرف یہ بات

ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں سے جو ڈھانچے ملے ہیں... یہ انھی تین محامدوں کے ہیں... اور انھوں نے چوری نہیں کی تھی... بلکہ ان پر صرف چوری کا الزام لگایا تھا۔

”یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں... مجھے کسی پر الزام لگانے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔“ اس نے بھٹا کر کہا۔
”گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کے تیس ہزار روپے واقعی چرائے گئے تھے۔“

”ہاں بالکل!“

”خیر... دیکھتے ہیں... یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھا ہے۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”اونٹ... یہاں اونٹ کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟ اس نے چونک کر کہا۔

”آپ نے سنا نہیں... اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔“

”ہاں بالکل... تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے؟“

”اور آپ نے سنا نہیں... اونٹ کے منہ میں زیرہ؟“

”پتا نہیں... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟“

”یہ محاورات کی باتیں ہیں... آپ نہیں سمجھیں گے؟“

”اور مجھے سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں۔“ اس نے مسکرا

کہہ کیا۔

”لیکن یہ آپ مٹی کیوں چھنوا رہے ہیں؟“

”میں دیکھتے جا رہے ہیں۔“

مٹی چھاننے کا کام دو گھنٹے تک ہوتا رہا۔۔۔ آخر تین
انگوٹھیاں انھیں مل گئیں۔۔۔ ان میں سے دو چاندی کی تھیں
اور ایک پیتل کی۔۔۔ ان پر ناموں کے پہلے حروف بھی
کنڈہ تھے۔۔۔

”ثابت ہو گیا۔۔۔ یہ تینوں وہی تھے۔“
”ہاں۔۔۔ کون تینوں؟“ سردار خان نے حیران ہو کر کہا۔

”شہر میں جن دنوں آپ نے ان تین معماروں کے خلاف رپورٹ
درج کرائی تھی۔۔۔ انھیں دنوں ان کے پڑوسیوں نے ان کی گم شدگی
کی رپورٹ درج کرائی تھی۔۔۔ چوری کی رپورٹ پہلے درج کرائی
گئی۔۔۔ گم شدگی کی چند دن بعد میں۔۔۔ کیوں کہ ان کا کوئی
عزیز رشتہ دار نہیں تھا۔۔۔ محلے دار پہلے تو ان کا انتظار کرتے
رہے پھر جب وہ نہ لوٹے تو محلے داروں نے رپورٹ لکھوا
دی۔۔۔ سوال یہ ہے کہ اگر انھوں نے چوری کی تھی کہ ان
کو زمین میں کیوں دفن کر دیا گیا؟“

”مم۔۔۔ میں۔۔۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں؟“

”اور دفن بھی اس جگہ۔۔۔ جہاں ایک بہت بڑا خزانہ

دفن تھا۔“

”ہاں۔۔۔ واقعی۔۔۔ یہ بات بہت عجیب ہے۔“ سردار خان
کھوٹے کھوٹے انداز میں بولا۔

”یہ ایک اور چیز بھی ملی ہے جناب مٹی میں سے: ایک
مزدور نے ان کے نزدیک آتے ہوئے کہا۔

”وہ اس چیز کی طرف متوجہ ہو گئے۔۔۔ یہ ایک ٹائی پن
تھی۔۔۔ سنہری رنگ کی ٹائی پن۔۔۔۔۔۔ جو ٹائی پن ہر
سردار خان کی نظر پڑی۔۔۔ اسے ایک زبردست جھٹکا لگا۔۔۔

خود کو سنبھال کر اس نے کہا... نہیں نہیں ٹائی پن میری نہیں ہے... آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔

”ہوں... وہ ٹائی پن مجھے دکھاؤ۔“

انپکٹر کامران مرزا نے ٹائی پن کو بغور دیکھا... لیکن اس سے بھلا کیا معلوم ہو سکتا تھا... اس پر کسی کا نام تو لکھا ہوا نہیں تھا...

”غیر... فی الحال اس ٹائی پن کو اپنے پاس رکھو... تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو... اب ہم ان کی نگرانی کا کام کر لیں گے... کیا تم نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی... کہ ٹائی پن کو دیکھ کر سردار خان کا رنگ اڑ گیا تھا۔“

”جی... بالکل۔“

”لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم یہ ٹائی پن اس کی کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے۔“

”گویا ابھی تک ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے... اگرچہ ہم انگوٹھیاں بھی حاصل کر چکے ہیں... اور ٹائی پن بھی اور تین انسانی دھانچے بھی۔“ آفتاب تیز تیز لہجے میں کہا۔

”بھئی گرمی کھانے کی ضرورت نہیں... جب تک ٹھنڈے رہ کر کیس حل نہیں کر دو گے... یہ قابو بھی نہیں آئے گا... ویسے اس کیس کو اب تم ہی حل کر دو گے... ہم صرف غاشانی

تیاری کر لو

وہ گھر لوٹے تو انپکٹر کامران مرزا کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

”اوہو... ابا جان آگئے... آفتاب چلا آیا۔“

”انکل آگئے... فرحت اور آصف نے بلند آواز میں کہا۔“

اندر انپکٹر کامران مرزا ہی نہیں شاید بھی تھا... وہ ان سے مل کر بہت خوش ہوئے... پھر انپکٹر کامران مرزا بولے:

”اب تک جو کام کیا ہے... اس کی تفصیل سنا دو۔“

”جی بہت بہتر۔“

آصف نے کہا اور ساری تفصیل سنا دی... اس کے خاموش ہونے پر انپکٹر کامران مرزا نے کہا:

”تب تو تم نے کیس کو کافی آگے بڑھا دیا ہے... اس ٹائی پن کے بارے میں سردار خان کیا کہتا ہے۔“

”ٹائی پن کو دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گیا تھا... لیکن پھر

کی حیثیت سے شامل نہیں گئے... ہاں سادہ لباس والے جو رپورٹ میں گئے... وہ میں متعین بتاتا رہوں گا... تم بتا دو... کیا کرنا چاہتے ہو۔

”جی بہتر... آپ سردار خان کی نگرانی شروع کرا دیں، اور ریاض بھائی کی بھی“

”اچھی بات ہے۔“ انھوں نے کہا اور فون پر ہدایات دینے لگے... ایسے میں فرحت چونک کر بولی:

”اُف مالک... کہیں یہ سارا چکر ریاض بھائی کا چلایا ہوا تو نہیں ہے؟“

”یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ آصف نے حیران ہو کر کہا۔
”بھئی ذرا سوچو... سرکاری طور پر خزانے پر اپنا حق ثابت ہو جانے کے بعد اسے چوری چھپے خزانہ حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ آفتاب نے بھی فرحت کو گھورا۔

”تم نہیں سمجھ... فرحت شوخ انداز میں مسکرائی۔
”کیا نہیں سمجھے؟“

”سرکاری طور پر خزانے کا مالک بننے میں اسے خطرہ تھا... حکومت کسی وقت بھی اس دولت کو اپنے قبضہ میں لے سکتی تھی... یہ کہہ کر کہ حکومت کے خزانے میں اس وقت بہت کمی آئی ہوئی ہے... دکھاوے کے طور پر وہ ساری دولت بطور

قرض لیتی، لیکن بے چارے ریاض بھائی کو یہ قرض کچھ واپس نہ ملتا... ہاں محقودا بہت سود ملتا رہتا... اور یہ ریاض بھائی نے یہ پسند نہ کیا... اور خفیہ طور پر خزانہ نکالنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا... اور اس نے ہمیں شریک کر ڈالا۔“
”یہاں تک کی بات ٹھیک ہے... پھر اس میں ریاض بھائی کا کوئی چکر کس طرح ثابت ہو گیا؟“

”جب اس نے دیکھا کہ دیگ سے خزانہ کوئی پہلے ہی نکال چکا ہے... تو اس نے کوشش شروع کر دی کہ وہ آدمی بے نقاب ہو جس نے خزانہ نکالا ہے... لہذا اس نے حملہ کرایا... تاکہ ہم اس کیس میں کسی جرم کی بو سونگھ کر آگے بڑھیں... اور غیر محسوس طور پر اس کے کام آجائیں۔“
”ہوں... شاید ایسا ہوا ہو... بہر حال ان دونوں کی نگرانی کے بعد ہی کوئی بات سامنے آئے گی... اور ہمیں اب انتظار کرنا پڑے گی۔“

”کیا اب میں اپنے گھر جا سکتا ہوں سر؟ شاہد نے کہا۔
”ضرور... لیکن ذرا محتاط رہنا... کہیں پھر کوئی حملہ نہ کر دے... ابھی خزانے کا مسئلہ حل نہیں ہوا۔“
”ان خزانوں کے مسئلوں نے تو ہمیں پریشان کر دیا ہے۔“
شاہد نے منہ بنایا۔

”کوئی بات نہیں... آپ ان کو پریشان کر دیں؟ آفتاب نے کہا۔

”لگ... کن کو۔“

”جی خزانوں کے مسکوں کو۔“

شاہد مسکرا دیا اور چلا گیا...

”اب ہم بھی ذرا آرام کر لیں... مسلسل اس کیس پر کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں۔ آفتاب نے کہا۔

”ضرور ضرور۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔
اگلے دن تک انھوں نے کیس کے سلسلے میں کوئی کام نہ کیا... جس رپورٹ کا انتظار رہا... آخر ایک سادہ لباس والے کی طرف سے فون موصول ہوا:

”ہیلو سر... کل شام سردار خان نے روٹ کھاری وکیل سے ملاقات کی... یہ ملاقات روٹ کھاری کے دفتر میں ہوئی۔“

”بہت خوب، گفتگو سنی جا سکی یا نہیں؟“

”جی نہیں... میں نے کوشش کی تھی... لیکن دال نہیں گئی۔“
دوسری طرف سے خوش گوار لہجے میں کہا گیا۔

”خیر... کوئی بات نہیں... اس کے بعد کیا ہوا؟“

”سردار خان کو دفتر سے نکل کر گھر جاتے ہوئے دیکھا گیا... وہ بہت خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔“

”ہوں... خیر... اور کوئی بات؟“

”اپنے گھر جانے کے بعد پھر وہ کیس نہیں گیا... اب ہمارے

پلے کیا حکم ہے؟“

”نگرانی جاری رہے گی۔“

یہ کہہ کر انھوں نے ریسپور رکھ دیا... اور ان کی طرف مڑے،

رپورٹ انھیں سنا کر بولے:

”اب تم کیا کرو گے؟“

”ہم... ہم وکیل صاحب سے ملاقات کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے... کہ سردار خان نے ان سے کیوں ملاقات کی ہے؟“

”ہوں... ٹھیک ہے... مل آؤ ان سے بھی۔“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”کیا آپ کو کچھ اندازہ لگا چکے ہیں ابا جان؟“

”کیسے جانا؟ وہ مسکرائے۔“

”آپ کے مسکانے کے انداز سے۔“

”ٹھیک کہتے ہو... میں اندازہ لگا چکا ہوں۔“

”تو پھر ہمیں بتائیے نا۔“

”یوں مرزا نہیں آئے گا... پہلے تم اپنا کام مکمل کر

لو... اس کے بعد اپنا اندازہ بتانا... پھر میں بتاؤں گا۔“ انھوں

نے کہا۔

”اور پھر مجرم ہماری گرفت میں ہو گا۔“

”ہاں! ان شاء اللہ۔“

وہ گھر سے نکلے... اور وکیل کے دفتر پہنچ گئے... وکیل رت کھاری نے انھیں دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں پلکیں جھپکائیں: ”رات آپ سے سردار خان نے آپ کے دفتر میں ملاقات کی؟ آفتاب نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔“

”اوہ! تو آپ کو یہ بات معلوم ہے۔“ اس نے چونک کر کہا۔

”آخر ہم سراخ رساں ہیں: وہ مسکرایا۔“

”ہاں جناب! یہ ٹھیک ہے... انھوں نے مجھ سے ملاقات کی تھی... تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے... کیا ایک موکل اپنے وکیل سے ملاقات نہیں کر سکتا؟“

”ضرور کر سکتا ہے... وہ آپ سے کیا چاہتے ہیں؟“

”اپنی ضمانت قبل از گرفتاری... ان کا خیال ہے... آپ لوگ انھیں گرفتار کرنے کی سوچ رہے ہیں۔“

”اوہ اچھا... لیکن ان کی ضمانت نہیں ہو سکے گی؟“ آصف

نے کہا۔

”کیوں نہیں ہو سکے گی... کیا کیا ہے انھوں نے؟“

”کم از کم تین آدمیوں کا قتل... اور سارا خزانہ ہڑپ کر گئے ہیں... جب کہ خزانے کا حق دار ریاض بھائی ہے۔“

”لیکن سردار خان نے بھی تو وہ زمین خریدی تھی... اور اس بنیاد پر ان کا یہ خیال کر لینا کہ خزانے پر ان کا حق ہے... یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر قانون انھیں سزا سنا دے۔“ وکیل نے تیز لہجے میں کہا۔

”یہ ہم نے کب کہا... کہ اس بات پر انھیں سزا ہو سکتی ہے... ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ خزانے والے معاملے کو خفیہ رکھنے کے لیے انھوں نے تین انسانوں کو قتل کیا تھا اور اس جرم کی بنیاد پر سزا ضرور ہو گی۔“

”لیکن ان کا کہنا ہے... انھوں نے ایسا کوئی جرم نہیں کیا۔“ وکیل نے کہا۔

”اب یہ بات تو عدالت میں طے ہو سکے گی۔“ آفتاب نے کندھے اچکائے۔

”اچھا جناب... شکریہ... وہ واپس پلٹ آئے۔“

رات کے ٹھیک بارہ بجے وہ پائپ کے ذریعے ایک عمارت میں داخل ہوئے... درپیش مارچوں کی مدد سے وہاں کی تلاشی لینے لگے... انھوں نے ایک ایک چیز کی تلاشی لی... اور آخر آفتاب نے سرگوشی کی...

مل گئی... یہ رہی... مزا آگیا؟

قینوں اس چیز پر جھک گئے... جلد ہی وہ اس چیز سمیت عمارت سے نکلے نظر آئے... انھوں نے عمارت کی ہر چیز کو اس طرح جگہ پر رکھ دیا تھا... کہ عمارت کے مالک کو ذرا سا بھی شک نہ ہو سکے...

جوتنی وہ گھر کے اندر داخل ہوئے... اپکڑ کر امران مرزا کی آواز نے ان کے قدم روک لیے:

”چوری کر کے آ رہے ہو۔“

”جی... نہیں تو۔“

”ہاں ٹھیک تو ہے... اسے ہم چوری تو نہیں کر سکتے...“

یہ تو سراغ رسائی ہے۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا... ہم کہاں گئے تھے؟“

”اندازہ تو لگا ہی سکتا ہوں۔“ وہ مسکرائے۔

”ہم نے کیس مکمل کر لیا ہے انکل: فرحت کے لیے میں

جوش تھا۔“

”میرا بھی یہی اندازہ تھا... تم مل کر لو گے... خیر صبح

دیکھیں گے... تم نے کیا تیر مارا ہے۔“

”جی ہاں! صبح ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے آخری

سین پیش کر دیں گے۔“

”بہت خوب! پچھے سراغ رساں بننے جا رہے ہو؟“
”جی لیس... یہ سب آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔“ آصف

مسکرایا۔

”اور آپ کی تربیت کا بھی؟“ فرحت نے فوراً کہا۔

”اور آپ کی شفقت کا بھی؟“ آفتاب مسکرایا۔

”لیس لیس... رہنے دو... مجھے مکھن نہ لگاؤ... اور کیس

کے اختتام کی تیاری کر لو... کوئی جھپول نہ رہ جائے... میں

کوئی مدد کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”اچھی بات ہے...“ وہ ایک ساتھ بولے اور اٹھ کھڑے

ہوئے۔۔۔

”اوه اچھا...“

”خزانہ مل گیا ہے... یہ ہم کیا سن رہے ہیں؟ سردار خان نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔
”تو آپ کے خیال میں ہمیں خزانہ نہیں مل سکتا۔“ آصف نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔
”مم... میں نے یہ نہیں کہا۔“ سردار خان ہٹکایا۔

”اب آپ لوگ خاموش ہو کر ہماری بات سن لیں... یہ معاملہ دو تین روز پہلے اس وقت شروع ہوا... جب ریاض بھائی ہمارے ہاں آئے... یہ ایک خط لے کر آئے تھے اور انھوں نے اس وقت یہ جھوٹ بولا تھا کہ یہ خط انھیں کسی نے دیا ہے کہ یہاں پہنچا دوں... ہم اس قسم کے طریقہ کار سے اچھی طرح واقف ہیں... ان کے جانے کے بعد خط کھول کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا کہ ۹۰۱ اسلام ٹاؤن میں بہت بڑا خزانہ دفن ہے... یہ کہ آپ سوجھ بھی نہیں سکتے کہ وہ خزانہ کتنا بڑا ہے... وہ خزانہ ملک کے کام آ سکتا ہے... لیکن معلوم ہوا... شہر میں اس نام کی کوئی آبادی سرے سے نہیں ہے... یہ ایک اور الجھن پیش آئی تھی... لیکن جلدی ریاض بھائی کا فون آ گیا اور انھوں نے فون پر یہ حیرت انگیز اطلاع دی کہ پچاس سال پہلے اس نام کی آبادی شہر میں موجود

کیا!!!

دوسرے دن انھوں نے فون کر کے تمام متعلقہ لوگوں کو اپنے گھر ہی بلا لیا... اور ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا... ان سب کے چہروں پر حیرت تھی...
”آخر ہمیں یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟“ ریاض بھائی کے لہجے میں حیرت تھی۔
”اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے:“

”تو... تو کیا آپ نے خزانہ تلاش کر لیا ہے؟“
”اب اور کیا کرتے؟“ آفتاب نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

”ارے! تو پھر بتائیے نا... کہاں ہے میرا خزانہ۔“ وہ اچھل کر بولا۔

”مہربانی فرما کر آپ اطمینان اور سکون سے تشریف رکھیں“
ابھی ہر بات سامنے آ جاتی ہے۔“

تھی... اب ہم نے پتا کر لیا تو یہ بات بالکل درست نکلی، اور آخر معلوم ہوا کہ اسلام ٹاؤن کی جگہ اب نیو ٹاؤن بن گیا ہے۔ نیو ٹاؤن میں اب ۹۰۱ نمبر کا مکان تو ہو نہیں سکتا تھا... لہذا سینٹمنٹ کے دفتر سے معلومات حاصل کی گئیں... آخر معلوم ہوا... کسی زمانے میں جو مکان ۹۰۱ نمبر تھا... اس کی جگہ اب سردار خان رہتے ہیں... ہم ان کے دروازے پر جا پہنچے... انہیں ساری بات بتائی... انہوں نے فوراً اپنے وکیل رؤف کھاری صاحب کو بلا لیا... آخر طے پایا کہ کھدائی کر کے دیکھ لیا جائے... کوکھی کا ایک ایک فرش کھود ڈالا گیا... لیکن خزانے کا نام و نشان تک نہ ملا... اچانک سردار صاحب کو ایک بات یاد آئی... انہوں نے جو پرانا مکان خریدا تھا... اس کے کچھ حصے پر تو انہوں نے کوکھی بنوائی ہی نہیں تھی... کچھ حصہ کوکھی سے باہر رہ گیا تھا، جب اس حصے کی کھدائی کی گئی تو ایک دیگ نظر آئی...

دیگ نظر آنے کے بعد ہم نے وہاں سادہ لباس والے مقرر کر دیے تھے... اور عدالتی کارروائی میں معروف ہو گئے تھے... عدالتی کارروائی کے بعد جب وہاں

پہنچے... اور ڈھکنا اٹھایا تو اس میں خزانہ تھا ہی نہیں... صرف ایک ہیرا تھا... ہیرے کو چیک کر لیا گیا... وہ واقعی نایاب تھا... اور اس سے یہ اشارہ ملتا تھا... کہ دیگ میں خزانہ تو واقعی موجود تھا... لیکن وہ پہلے ہی نکالا جا چکا تھا... اس دوران ہم پر قاتلانہ حملہ کیا گیا... پہلے حملے میں تو ہم بچ گئے... لیکن مجرم کی دوسری کوشش نے میرے والد اور انکل کو زخمی کر دیا... انہیں ہسپتال میں داخل ہونا پڑا، اور کیس کو صرف ہمیں دیکھنا پڑا... حملے کا مطلب یہ تھا کہ ہم خزانے کا سراغ نہ لگا سکیں... لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے... اور اللہ کی مہربانی سے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے... وہ کیسے... اب اس کی تفصیل سنئے... یہ کہہ کر آفتاب سانس لینے کے لیے رکا... پھر شروع ہو گیا۔

ہم نے ایک بار پھر گڑھے کا بغور جائزہ لینے کا فیصلہ کیا... کہ شاید کوئی ثبوت مل جائے... ہم نے بغور جائزہ کیا لیا... وہاں سے تین عدد انسانی ڈھانچے نکل آئے... اور کیس سنسنی خیز ہو گیا... ویسے ان کیسوں کو بھی سنسنی خیز بننے دیر نہیں لگتی... آفتاب نے یہ کہتے وقت بڑا سا منہ بنایا۔

آصف اور فرحت مسکرانے لگے... انپکٹر کامران مرزا نے اسے گھور کر دیکھا... جیسے کہ رہے ہوں... کام کی بات کرو... ادھر ادھر کی نہیں... آفتاب گھبرا گیا... اور پھر کہنے لگا:

”مم... معاف کیجیے گا... میرا ذرا دھیان پھسل گیا تھا... کیا پھسل گیا تھا... شاہ کے لہجے میں حیرت تھی... جی انکل دھیان... اس نے فوراً کہا۔

”نن... نہیں تو... میرا نام انکل دھیان تو نہیں ہے“ وہ گڑبڑا گئے۔

”اسی لیے میں نے اشارہ کیا تھا... ادھر ادھر کی باتیں نہ کرو... بات کہاں کی کہاں نکل گئی... انپکٹر کامران مرزا بولے۔

جی ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے... ہاں تو میں کہہ رہا تھا... میں کیا کہہ رہا تھا بھلا۔“

”بس رہنے دو تم... یہاں سے میں شروع کرتا ہوں... آصف نے جل کر کہا۔

”ضرور... کیوں نہیں... مجھے کوئی اعتراض نہیں... یوں بھی بولتے بولتے میری آنکھیں تھک گئی ہیں... آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”دماغ چل گیا ہے شاید... بولتے بولتے... زبان تھکا کر تی ہے... آصف نے جھٹکا کہہ کر کہا۔

”یہ بھی درست نہیں... بولتے بولتے دماغ تھکتا ہے...“ خیر! اس پر بعد میں ریسرچ کر لیں گے... اس وقت کام کی بات ہی کر لیتے ہیں... آصف نے کہا۔

”اچھا ٹھیک ہے... آفتاب مسکرایا۔

”ہاں تو گڑھے سے جیب تین انسانی ڈھانچے برآمد ہوئے تو معاملہ حد درجے خوف ناک ہو گیا... ویسے تو یہ بات کہی جا سکتی ہے... کہ جہاں خزانے کا چکر ہو... وہاں دو چار لاشیں تو لازمی گرتی ہیں... ان ڈھانچوں پر تحقیقات کی گئی... معلوم ہوا... بیس پچیس سال پہلے ان لوگوں کو دفن کیا گیا تھا... بیس پچیس سال پہلے ہی... سردار خان صاحب

نے یہ جگہ خرید لی تھی... یعنی اس وقت وہاں بہت بڑا اور بہت پرانا مکان تھا... اس مکان کو گرا کر کوٹھی تعمیر کرائی گئی... ہم نے اخبارات چھان مارنے کا فیصلہ کیا... کیونکہ اس جگہ تین انسانوں کو دفن کیا گیا تھا... تو ظاہر ہے...

اخبارات میں ان کی گم شدگی وغیرہ کی خبر تو شائع ہوئی ہی ہوگی... اخبارات کی چھان پھٹک کے بعد معلوم ہوا کہ تین انسان واقعی گم ہوئے تھے... وہ معمار تھے... ان دنوں

کوئی عمارت بنانے جاتے تھے... ایک دن گئے تو لوٹ کر نہ آئے... چوں کہ ان کا کوئی عزیز یا رشتہ دار نہیں تھا... لہذا ان کے محلے داروں نے رپورٹ درج کرائی... ساتھ میں ہمیں ایک خبر اور نظر آئی... اور وہ یہ تھی کہ تین معمار تیس ہزار روپے لے اڑے... یہ خبر سردار خان کے بارے میں تھی... یہ کہ وہ اپنی کوٹھی تعمیر کرا رہے تھے، ان کے دفتر میں نقد رقم موجود تھی... تین معمار وہ رقم لے اڑے... رقم تیس ہزار تھی... یہ خبر ہمارے لیے دھماکا خیز تھی... کیوں کہ اسی جگہ تعمیر کا کام ہو رہا تھا... وہیں سے ان کے ڈھانچے ملے... جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ بے چارے تیس ہزار روپے لے کر نہیں بھاگے تھے بلکہ انہوں نے دراصل بنیادیں کھودنے کے سلسلے میں خزانے کی اس دیگ کو دیکھ لیا تھا... لہذا سردار خان نے سوچا انہیں ختم کر دیا جائے؟

”نہیں... یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ سردار خان چلا اٹھے۔“

”مہربانی فرما کر آپ خاموش رہ کر نہیں۔“
”لیکن اتنا بڑا الزام میں آخر کس طرح برداشت کر لوں؟“ سردار خان نے کہا۔

”آپ کو بات کرنے کا، اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع دیا جائے گا۔“

”آپ سن رہے ہیں وکیل صاحب؟“
”ہاں! آپ پریشان نہ ہوں... آپ کا وکیل یہاں موجود ہے... میں ان لوگوں کے الزامات کو دیکھ لوں گا... ان کے الزامات کو صابن کے جھاگ کی طرح اڑا دوں گا۔“

”سردار خان صاحب نے سوچا... اگر ان تینوں کو ٹھکانے لگا دیا جائے اور پھر میں رپورٹ درج کروا دی جائے کہ تین معمار تیس ہزار روپے چرا کر بھاگ گئے تو کوئی ان پر شک نہیں کرے گا... یہ اندازہ ہمیں کس طرح لگا کہ یہ وہی تینوں معمار تھے... جن کی گم شدگی کی رپورٹ درج کر دوائی گئی تھی... ان تینوں کو چاندی کی انگوٹھیاں پہننے کا شوق تھا... یہ بات ہمیں ان کے پڑوسیوں نے بتائی... ہم نے اس مٹی کو چھنوا دیا... جہاں سے ان کے ڈھانچے ملے تھے... اور ہمیں وہاں سے تین انگوٹھیاں بھی مل گئیں... لہذا یقین ہو گیا کہ وہ تینوں معمار ہی تھے... اب ایک اور مزے کی بات بھی سن لیں... مٹی میں سے ہمیں ایک ٹٹائی پن بھی ملی تھی... سنہری رنگ کی ٹٹائی پن... اور جب ہم نے وہ سردار خان کو دکھائی تو ان کا رنگ اڑ گیا...“

ان کے ہوش اڑ گئے... اگرچہ اس وقت انھوں نے یہی کہا تھا کہ یہ ان کی نہیں ہے... لیکن ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ یہ ان کی ہی ہے... اور پھر ثانی پن ملنے کے بعد یہ اپنے وکیل کے پاس بھی دوڑے گئے... انھیں ڈر تھا کہ ہم انھیں گرفتار کر لیں گے... لہذا یہ چاہتے تھے کہ ان کی قبل از گرفتاری ضمانت کمرالی جائے... آخر ثانی پن ملنے کے بعد یہ اس قدر پریشان کیوں ہو گئے... جب کہ انھوں نے بتایا تھا کہ ثانی پن ان کی نہیں..."

"سوال یہ ہے کہ خزانہ کہاں گیا... کس کے پاس ہے، کیا سردار خان صاحب کے پاس ہے۔" ریاض بھائی نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔

"خدا صبر کریں... آپ کا خزانہ بھی آپ کو ملے گا... وہ مرحلہ بعد میں آئے گا... اس سے کہیں زیادہ اہم کام ہے... تین معاروں کے قتل کا..."

"اُف مالک... یہ لوگ تو مجھے قاتل بنائے دے رہے ہیں... میں کیا کروں... وکیل صاحب آپ کچھ بھی نہیں بول رہے ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں... یہ لوگ عدالت میں اس ثانی پن کو آپ کی ہرگز ثابت نہیں کر سکیں گے... اور آپ جری

ہو جائیں گے۔" وکیل صاحب بولے۔

"لیکن یہ میرا خون خشک کیسے دے رہے ہیں؟ سردار خان نے کہا۔"

"یہ ان کا طریقہ واردات ہے... آپ پریشان نہ ہوں۔" وکیل نے کہا۔

"جی ہاں! آپ نے ٹھیک کہا وکیل صاحب... یہ ہمارا طریقہ واردات ہے... ثانی پن تو مل ہی گئی... اگر ہم آپ کو سردار خان کی کوٹھی سے وہ خزانہ بھی نکال کر دکھا دیں تو پھر؟"

"پھر... پھر تو کسی جوت کی ضرورت نہیں رہتی... اور مسٹر سردار خان قاتل بھی ثابت ہو جاتے ہیں... لیکن میں جانتا ہوں... آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" وکیل نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں... ہم کیوں ایسا نہیں کر سکتے؟"

"اس لیے کہ بے چارے سردار خان نے یہ جرم نہیں کیا... نہ خزانہ ان کے پاس ہے... آپ بلا وجہ انھیں پھانسنے پر تیل گئے ہیں... اگر آپ نے انھیں بلاوجہ پھانسا تو میں عدالت میں آپ لوگوں کو دیکھ لوں گا؟"

"دیکھیے وکیل صاحب... آپ کم از کم ہمیں دھمکیاں نہ دیں؟ آصف نے منہ بنایا۔"

”آخر ہم سب کو یہاں کیوں جمع کیا گیا ہے؟“
 یہ بتانے کے لیے کہ یہ سب کیا دھرا سٹریاض
 بھائی کا ہے۔“
 ”جی... کیا... ریاض بھائی کا... ابھی آپ کچھ اور
 کہہ رہے تھے۔“

”وہ ہم مذاق کر رہے تھے۔“
 ”یہ اچھا مذاق ہے... اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا...“
 سردار خان نے جھٹکا کر کہا۔
 ”جی نہیں... آپ اتنے کمزور دل کے نہیں ہیں۔“ فرحت
 نے مسکرا کر کہا۔

”پتا نہیں... کیا چکر ہے... انپکٹر صاحب... آپ ہی
 انہیں سمجھائیں... اور پھر کیس کی وضاحت آپ کریں نا...“
 یہ کیوں کر رہے ہیں... انپکٹر آپ ہیں یا یہ۔“
 ”آج کے کیس کے انپکٹر یہی ہیں... لہذا وضاحت
 بھی یہی کریں گے۔“

”غیر صاحب... کریں وضاحت... لیکن وضاحت کی
 کوئی ٹیک بھی تو ہونی چاہیے۔“
 ”یہی تو مشکل ہے جناب سردار خان صاحب۔“ آصف
 نے طنز یہ لہجے میں کہا۔

”کیا مشکل ہے؟“

”میں پچیس سال پرانے مجرم کا ثابت کرنا... اب سنیں... ریاض
 بھائی صاحب پہلے تو اپنا یہ خط لے کر ہمارے پاس آئے، پھر
 خود فون کر کے یہ بتایا کہ اسلام ٹاؤن کا نام پچاس سال
 پہلے کیا تھا... یعنی ہمیں کسپنس میں مبتلا کرتے چلے گئے... پھر
 جب ہم سردار خان کی کوشش کی تگڑائی کے لیے باہر کھڑے ہوئے
 اور تھک کر ایک ہوٹل میں جا بیٹھے، تو وہاں ایک صاحب
 کا دوستانہ سے ملاقات ہوئی... اس نے بلاوجہ ہماری باتوں
 میں دخل اندازی شروع کر دی اور پھر باقاعدہ ہم سے
 باتیں کرنے لگا... لیکن آواز بدلنے میں پوری طرح ماہر نہ
 ہونے کی بنا پر پہچان لیا گیا... وہ بھی ریاض بھائی خود
 تھے...“

”نہ... نہیں۔“ ریاض بھائی چلایا۔
 ”جی ہاں! پھر جب خزانے کے لیے کوشش کے پچھلی طرف
 کھدائی ہو رہی تھی... اور ہم چھپ کر یہ منظر دیکھ رہے
 تھے تو ہم نے محسوس کیا کہ وہاں ہمارے علامہ کوئی اور
 بھی ہے... تو جناب وہ کوئی اور بھی ریاض بھائی ہی
 تھے... گویا یہ اس کیس کی ایک بات پر نظر رکھے
 ہوئے تھے... آخر کیوں؟ آصف یہاں تک کہ کر خاموش

ہو گیا۔

”اس لیے کہ معاملہ میرے خزانے کا تھا... اور مجھے ڈر تھا... کہ میری کوشش کے بعد ہم شروع ہوئی ہے... کہیں اس ہم میں چکر چلا کر کوئی نیا گل نہ کھلا دیا جائے۔“

”آپ کے خیال میں نیا گل کون کھلاتا؟“

”مسٹر سردار خان... انھوں نے جان بوجھ کر زمین کا وہ حصہ کوٹھی میں شامل نہیں کیا... دراصل خزانہ تو یہ پچیس سال پہلے حاصل کر چکے ہیں... پچیس سال پہلے ہی وہ تین معمار مارے گئے... اس لیے کہ سب سے پہلے خزانہ انھیں نظر آیا تھا... اب یا تو انھیں زندہ چھوڑ کر خزانہ میں انھیں حصے دار بنایا جاتا... یا پھر انھیں موت کے گھاٹ اتار کر خزانے کے راز کو راز دکھا جا سکتا تھا... حصہ دینے کی بجائے... انھوں نے ان تینوں کو ختم کر دیا اور وہ بے چارے اپنے گھر بھی نہ پہنچ سکے۔“

”بات تو آپ کی بھی ٹھیک ہے... لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ پچیس سال پہلے آپ کے والد خزانہ یہاں سے نکال چکے تھے... اور خالی کر چکے تھے... لیکن آپ کے ہاتھ صرف خزانے کا راز لگا... اور آپ خزانے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔“

”تب پھر یہ قتل بھی میرے والد نے کیے ہوں گے۔“

ریاض بھائی نے منہ بنایا۔

”اور کیا کہا جاسکتا ہے؟“

”لیکن آپ میرے والد کو سزا نہیں دلا سکتے... اس لیے

کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں... سوال صرف یہ ہے کہ

وہ خزانہ کہاں ہے۔“ ریاض بھائی نے کہا۔

”یہ بات آپ کے والد ہی بتا سکتے ہیں اور وہ اس

دنیا میں نہیں ہیں۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”کیا آپ اب میرا مذاق اڑائیں گے؟“

”تو پھر ہمیں بیان کرنے دیں نا...“ فرحت نے تیز لہجے

میں کہا۔

”چلیے... آپ بیان کریں۔“

”بہت بہت شکریہ... ہاں تو میں کیا کر رہا تھا... آصف

نے کہا۔

”پپ... پتا نہیں... کیا کر رہے تھے... یہ تو یاد کرنا

پڑے گا۔“ آفتاب مسکرایا۔

”حد ہو گئی... فرحت نے اسے گھورا۔

”ریاض بھائی کی ٹکرائیاں بیان کر رہے تھے۔“ انپکڑ

کامران مرزا نے لطف یتے ہوئے کہا۔

”اوہ ہاں... ہاں تو ریاض صاحب اس کیس میں سائے
کی طرح ساتھ ساتھ رہے... اور ہم نے اندازہ لگایا کہ
ضرور یہی مجرم ہیں... درنہ ان کا کردار اس قدر پُر اسرار
نہیں ہو سکتا تھا؟“

”بگو اس! میرے مجرم ہونے کا دور دور تک امکان نہیں۔
”ہم خزانہ برآمد کریں گے؟“ آصف نے بھنٹا کر کہا۔
”کیا کہا... میرے پاس سے...“ اس کے لہجے میں حیرت
ہی حیرت تھی۔

”نہیں... سردار خان کے پاس سے۔“ آصف یک دم بولا۔
”کیا!!“

وہ سب چلا آئے...

مقصد کیا ہے

”جی ہاں! جب ہم برآمد کرنے پر اتر آتے ہیں تو پھر کسی
سے بھی کوئی چیز بھی برآمد کر سکتے ہیں... خزانے کی کیا خاص
بات ہے؟“

”پتا نہیں... آپ لوگ کس قسم کے ہیں... اور مزے کی
بات تو یہ کہ الپکڑ کامران مرزا بھی انھیں نہیں روک رہے۔
”روکوں کس طرح... ایسے موقعوں پر میں بھی یہی کچھ
کہتا ہوں؟“

”کیا مطلب... کیا کرتے ہیں؟“

”یہی جو... یہ کر رہے ہیں؟“

”آپ بھی ان سے کم نہیں ہیں؟“ سردار خان نے جل

کر کہا۔

”آپ نے غلط کہا... یہ ہم سے بڑھ کر ہیں۔“

”اچھی بات... برآمد کر کے دکھائیں خزانہ میرے پاس؟“

”تو کیا آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ کے پاس سے خزانہ برآمد نہیں کر سکتے؟“

”نہیں!“ اس نے کہا۔

”اور مسٹر ریاض... کیا آپ بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں؟“

”ہاں بالکل!“

”اور مسٹر رؤف کھاری... کیا آپ بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں...“

کہ ہم آپ کے پاس سے خزانہ برآمد نہیں کر سکتے؟“

”کیا مطلب... یہ میرا ذکر کہاں سے نکل آیا؟“ اس نے

بڑا مان کر کہا۔

”آپ سوال کا جواب دیں۔“

پس سوال کا؟“

”اس سوال کا کہ ہم آپ کے پاس سے خزانہ برآمد کر سکتے ہیں یا نہیں؟“

”میرا خزانے سے کیا تعلق؟“

”فکر یہ... شیئہ تعلق... پچیس سال پہلے یہ کوٹھی آپ کی

مگرانی میں بن رہی تھی۔“

”کیا...؟“ کئی آوازیں ابھریں... شاہد بھی سیدھا ہو کر بیٹھ

گیا۔

”بلے چاہے سردار خان کے تو فرشتوں کو بھی پتا نہیں

چل سکا... کہ کیا تین معماروں نے خزانہ پایا اور وکیل کو

دکھایا... وکیل نے فوراً انھیں خاموش کر دیا... اور رات کے

وقت گڑھے کو مٹی سے پاٹ دیا... اسی روز وکیل صاحب

نے سردار خان کے دفتر میں رکھے تیس ہزار روپے بھی

اڑا لیے... تاکہ ان تین معماروں کے خلاف چوری کا مقدمہ

درج کرایا جاتے... اور کوئی ان سے یہ نہ پوچھ سکے کہ

تین معمار کہاں ہیں... سردار خان نے تیس ہزار روپے غائب

دیکھے تو وکیل صاحب کو اطلاع دی... وکیل صاحب پہلے

یہی تیار تھے... انھوں نے جھٹ رپورٹ لکھوانے کا مشورہ

دیا... اس طرح چوری کی رپورٹ درج ہو گئی... اب کوئی

ادھر ان تینوں کو تلاش کرنے آتا... تو وہ اس رپورٹ کو

ان کے سامنے کر دیتے کہ یہاں وہ تو ہمارے تیس ہزار لے

بھاگے ہیں... یہ اور بات ہے کہ ان تینوں کو پوچھنے وہاں

کوئی نہ آ سکا... اس لیے کہ وہ تینوں بھائی تھے... اور ایک

گھر میں رہتے تھے... ان کا کوئی اپنا عزیز یا رشتہ دار

نہیں تھا... محلے دار صرف اتنا کر سکے کہ ان کی گم شدگی کی

رپورٹ درج کرا دی... اب پولیس والوں میں اتنی عقل

کہاں کہ اسی شہر میں کسی دوسری جگہ ہونے والی چوری

کی واردات کے سلسلے میں غور و فکر کر لیا جاتا... راتوں

رات وکیل صاحب نے تنہا خزانہ منتقل کیا... اور گڑھا پاٹ دیا،
یہ ہے کل کہانی..."

"بالکل غلط... بالکل جھوٹ... سراسر الزام... میرا اس کیس
سے بال برابر بھی تعلق نہیں؟"

"تو کیا یہ غلط ہے... کہ آپ کو کبھی اپنی نگرانی میں بنوا
رہے تھے... سردار خان کو دوسری مصروفیات تھیں... آپ
کی وکالت ان دنوں چلتی نہیں تھی... لہذا آپ نے دوستی کا
ثبوت دینے کے لیے کوٹھی بنوانے میں مدد شروع کر دی
حالاں کہ اس کام سے بھی آپ کو غرض یہ تھی کہ اسی طرح
آپ کافی پیسے ادھر ادھر کر دیں گے... اور اپنی جیبیں بھر
لیں گے۔"

رن... نہیں... وہ چلا آیا۔

کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا... سردار خان بت
بنا وکیل کی طرف دیکھ رہا تھا... آخر اس کے منہ
سے نکلا:

"کھاری یہ میں کیا سن رہا ہوں؟"

"یہ... یہ بکو اس کر رہے ہیں... بلکہ جھوٹ بول رہے
ہیں... ابھی یہ کچھ دیر پہلے تمہیں قاتل ثابت کر رہے
تھے... پھر ریاض بھائی کی طرف مڑ گئے اور اب ان کا رخ

میری طرف ہو گیا... ہے کوئی ٹمک؟

"نہیں... کوئی ٹمک نہیں ہے۔" سردار خان بولے۔

"آپ کیا کہتے ہیں مسٹر ریاض؟"

"مجھے تو اب ٹمک ہی ٹمک نظر آنے لگی۔ اس نے خوش
ہو کر کہا۔"

"ہاں! اب چلیے! ہم آپ کو دکھائیں... خزانہ کہاں ہے؟
کیا مطلب... وکیل چلا آیا۔"

"ہاں جناب... رات ہم آپ کی محل نما کوٹھی میں موجود
تھے... اور ہم نے کئی گھنٹے کی محنت کے بعد آخر کار وہ
تر خانہ تلاش کر لیا ہے... جس میں خزانہ رکھا گیا ہے...
وہ واقعی ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔"

دواہ... مزا آ گیا۔

جرم کے ہاتھ میں ہتھکڑی پہنا دی گئی... پھر اس کی کوٹھی
پر پہنچے... تر خانے کا دروازہ کھولا گیا... اور جب وہ تر خانہ
میں اترے... تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں... اس
قدر ہیرے اور سونے کے قیمتی زیورات انہوں نے زندگی میں
پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے...

"اُف مالک... آخر میں نے خزانہ پا لیا۔"

"ہاں مسٹر ریاض بھائی... آپ قانونی طور پر اس خزانے

کے مالک ہیں... میں تحقیقات کر چکا ہوں... لیکن آپ کیا میری ایک بات سن سکتے ہیں؟

”آپ کی... آپ کی تو میں ہزار باتیں سننے کے لیے تیار ہوں۔“

”نہیں... اس وقت تو مہربانی فرما کر ایک ہی سن لیں باقی نو سو ننانوے پھر کسی وقت سنا دیں گے۔“ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

”خیر فرمائیے۔“

”یہ خزانہ آپ کو اس نہیں آئے گا... لوگ آپ کی جان کے دشمن بن جائیں گے... آپ کو ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے... وہ آپ کو جان سے مار کر دم لیں گے، لیکن میں آپ کو اس خزانے کو محفوظ کرنے کی ترکیب بتا سکتا ہوں... پھر آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا... آپ کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش بھی نہیں کرے گا... کسی کو آپ سے غرض نہیں ہوگی... اور خزانہ آپ کا محفوظ کا محفوظ... بلکہ یہ کئی گنا ہو کر آپ کو ملے گا...“

”وہ... وہ... وہ کیسے؟“

”آپ اپنی ضرورت کے مطابق چند ہیرے اس میں سے

لے لیں... وہ بھی لاکھوں روپے کے بنیں گے... آپ ان سے اپنی زندگی آرام سے گزاریں... کوئی کاروبار کرتے رہیں۔“ اور... باقی دولت؟ اس نے حیران ہو کر کہا۔

”باقی ساری دولت آپ ملک کے خزانہ میں جمع کرا دیں... اس سے لوگوں کی بھلائی کے کام لیے جائیں گے، ہسپتال بنیں گے... فلاحی ادارے کھلیں گے... مدرست قائم کیے جائیں گے... مساجد بنائی جائیں گی۔“

انسپکٹر کامران مرزا خاموش ہو گئے... ریاض بھائی سوچ میں ڈوب گیا... وہ سب اس کی طرف دیکھتے رہے... آخر اس کے ہونٹ ہلے:

”آپ... آپ ٹھیک کہتے ہیں... نہ جانے آپ کی آواز میں کیا اثر ہے... الفاظ مجھے اپنے دل میں اترتے محسوس ہوتے ہیں... مجھے اجازت دیں... میں ان میں سے صرف ایک مٹھی بھروں۔“

”ہاں ہاں ضرور... کیوں نہیں...“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

ریاض بھائی کا لہڑتا کانپتا ہاتھ ہیروں کی طرف بڑھا، پھر اس نے ہاتھ کھینچ لیا:

”لگ... کیا ہوا... کیا آپ کا ارادہ بدل گیا ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”نہیں... جب سارا خزانہ چھوڑ رہا ہوں... تو مٹھی بھر ہیرے لے کر بھی کیا کروں گا... نہیں... میں ان ہیروں کے بغیر ہی بھلا... آپ اس سارے خزانے کو ہی سرکاری تحویل میں لے لیں۔“

”نہیں... نہیں... آپ اس میں سے ضرور لے لیں۔“ لپکٹر کا مران مرزا بولے۔

”بس شکریہ؟“ اس نے کہا۔

”اوہو... بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا...“

آپ ایک مٹھی بھر لیں؟

اس کا لبز تا کا پٹا ہاتھ آگے بڑھا اور مٹھی میں ہیرے

لے لیے... ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے...

وہ بولا :

”یہ آنسو دیکھ رہے ہیں آپ... نہ جانے کب سے...“

میں اس خزانے کے لیے تڑپ رہا تھا... اور آج یہ ملا

ہے... تو آپ کے الفاظ نے مجھ پر شاید جادو کر دیا

ہے... یہ مٹھی بھر ہیرے لینا بھی مجھے اچھا نہیں

لگ رہا۔“

”اسی کو تبدیلی کہتے ہیں... آپ میں تبدیلی آئی ہے اور اچانک آئی ہے... انسان کو اس دنیا میں کھانے پینے اور عیش کرنے کے لیے تو بھیجا ہی نہیں گیا... ہمارا اس دنیا میں آمد کا مقصد صرف اور صرف ایک ہے... اس ایک مقصد کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہرگز نہیں ہے... اور وہ مقصد ہے... کسی طرح ہم اپنے اللہ کو راضی کر لیں... اور بس... لپکٹر کا مران مرزا کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے...“



8/19/2014

Malik Ji

فائدے کی بات

- ان شاء اللہ آئندہ ماہ آپ انیسواں خاص نمبر جیکان کی واپسی (۵۱ روپے)
- کالی آنکھ (۱۰ روپے) بھیا نک سازش (۱۰ روپے) سنہری جال (۱۰ روپے)
- عجیب کیس (۱۰ روپے) شیر شپ (۱۰ روپے) جرم کی کشتی (۱۸ روپے)
- پڑھیں گے۔ ان تمام ناولوں کی کل قیمت ۱۱۹ روپے بنتی ہے۔ یہ تمام
- ناول ایک ساتھ منگوانے پر ادارہ آپ سے رعایتی قیمت صرف
- ۹۵ روپے وصول کرے گا۔
- اگر آپ اشتیاق احمد کا نیا خاص نمبر جیکان کی واپسی منگوانا چاہتے
- ہیں تو ادارہ آپ سے ۵۱ روپے کی بجائے ۴۱ روپے وصول کرے گا۔
- ادارہ آپ کو ناول بذریعہ وی پی ارسال کرے گا۔
- پوسٹ مین آپ سے رعایتی قیمت سے ۵ روپے زائد وصول کرے گا۔
- اس طرح بھی آپ کو ناول گھر بیٹھے ملنے کے ساتھ ساتھ خاص نمبر پر
- ۵ روپے اور مکمل سیٹ پر ۱۹ روپے کی بچت ہوگی۔
- ہے نا فائدے کی بات! خط لکھ کر آرڈر دیں۔ شکریہ!
- آرڈر بھیجنے کا پتا:

اشتیاق پبلی کیشنز، ۹/۱۷ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانہ کلاں، لاہور (فون: ۳۲۱۵۳۴)

آئندہ خاص نمبر کے ایک جھلکے

عظیم الشان خاص نمبر
قیمت ۵۱ روپے

۲۰ دسمبر سے پہلے ان شاء اللہ

انیسواں خاص نمبر

محمود، فاروق، فرزانه، انسپکٹر جمشید، آفتاب،
آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور
شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

جیکان کی واپسی

مصنف: اشتیاق احمد

○ خان آفریدی کے گھر وہ اس چیز کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔

○ ایک شان دار دعوت دی جا رہی تھی۔

○ دعوت میں ایک مہمان اس چیز کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

○ وہاں اور لوگ بھی تھے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد وہ مہمان وہاں سے غائب تھا۔

○ کوٹھی کے بیرونی دروازے سے کوئی باہر نہیں گیا تھا، پچھلا دروازہ بھی بند تھا۔ کوٹھی میں بھی اس مہمان کو ہر طرف تلاش کیا گیا، لیکن وہ نہ ملا۔

○ پورے مہمانوں کے درمیان سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ ایک ہی سوال ہر ایک کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ آخر نواز مجنوں کہاں گیا؟

○ نواز مجنوں کون تھا؟

○ وہ کہاں تھا؟

○ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ سر توڑ کوشش کے باوجود اس کا سراغ نہ لگا سکے، اس کو تلاش نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ ناول کے آخر تک بھی اسے نہ پا سکے۔

○ یہی نہیں۔ ان کے لیے تو ایسے اور نہ جانے کتنے

لمحات آنے والے تھے۔

○ ایک غار میں تینوں پارٹیاں جمع تھیں۔ ان کے سامنے ایک سکرین پر فلم سی چل رہی تھی، لیکن وہ کوئی فلم نہیں تھی۔ بلکہ ایوان صدر کا ایک منظر انھیں دکھایا جا رہا تھا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے صدر سکرین سے غائب ہو گئے۔ باقی لوگ جوں کے توں سکرین پر موجود رہے۔ صرف صدر غائب ہو گئے۔

یہ بات نہیں کہ وہ اٹھ کر کہیں جاتے نظر آتے تھے، جی نہیں۔ بلکہ وہ بیٹھے بیٹھے نظروں کے سامنے سے غائب ہو گئے۔ بالکل نواز مجنوں کی طرح۔

○ اور پھر وہ صدر کا سراغ بھی نہیں لگا سکے۔

○ ایک چرواہے کی انسپکٹر کامران مرزا کے گھر آمد۔ اس کے پاس ایک بہت عجیب سا پتھر تھا۔ لیکن وہ پتھر نہیں تھا۔ تو پھر کیا تھا۔ وہ اس چیز کو پروفیسر غوری کے پاس لے گئے۔ پروفیسر غوری نے آدھ گھنٹے بعد رپورٹ دینے کا وعدہ کیا، لیکن آدھ گھنٹے بعد نہ پروفیسر غوری ملے نہ وہ چیز۔ دونوں چیزیں اس طرح غائب تھیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

○ ناول کے آخر تک بھی آپ کے کردار انھیں تلاش

نہیں کر سکے۔

○ تو کیا یہ خاص نمبر مکمل نہیں ہے اور وہ اگلے حصے میں انہیں تلاش کریں گے؟ جی نہیں۔ آپ سمجھے نہیں۔ خاص نمبر بالکل مکمل ہے ہر لحاظ سے۔ اس کی نہ آگے کوئی قسط ہے، نہ اس خاص نمبر سے پہلے کوئی ناول اس سے متعلق ہے۔ اس کے باوجود آپ کے کردار خاص نمبر ختم ہونے تک ان لوگوں کو تلاش نہیں کر سکے۔ آخر کیوں؟

○ یہ بات آپ کو بتائی نہیں جاسکتی۔ اس کیوں کا جواب تو آپ کو صرف ناول پڑھ کر ہی معلوم ہو سکتا ہے۔

○ ملک میں آخر کیا ہو رہا تھا۔ آپ چکر اکر رہ جائیں گے۔
○ آپ ہی کیا۔ اس بار تینوں پارٹیاں مکمل طور پر گھن چکر بن گئیں۔ اور کیوں نہ بنتیں۔ مقابلہ جو جیکان سے تھا۔

○ جیکان۔ اس بار پوری تیاریوں کے بعد آیا تھا۔
○ وہ بھی سامنے نہیں۔

○ دھوئیں کے میناروں سے میلے۔ آپ کو چکر پر چکر آئیں گے۔ اور آپ کا بھی جی چاہنے لگے گا دھوئیں

کے میناروں کی سیر کو۔

○ کرداروں کے شوخ چُملے آپ کو بار بار مسکرانے اور ہنسنے پر مجبور کریں گے۔

○ خاص نمبر آپ کو ایک نئی دنیا کی سیر کراتا نظر آئے گا۔

○ آپ کے کردار اس کیس کے دوران کس قدر بے بس کر دیے گئے۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

○ اپنے ہی ملک میں وہ اس قدر بے بس اور لاچار تھے کہ آپ سے ان کی حالت دیکھی نہیں جائے گی۔
○ آپ دل تھام کر رہ جائیں گے۔ آپ کا جی بے تحاشا ان کی مدد کرنے کو چاہے گا، لیکن آپ تو کیا۔
○ ملک کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی ان کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

○ وہ بالکل لاچار ہو گئے۔ بے بس ہو گئے۔ ان کے اختیار میں کچھ بھی تو نہیں رہا۔ کوئی ان کا حکم ماننے والا نہ رہا۔ یہاں تک کہ اکرام بھی۔

○ بے بسی کے اس عالم میں، بے سرو سامانی کے ان لمحات میں انہوں نے یہ مہم کس طرح سر کی۔ آپ بھول نہیں

پائیں گے۔

○ اور پھر چند لمحات ناول میں ایسے بھی آئیں گے جب آپ دل تمام کر رہ جائیں گے۔ آپ کو اپنے دل کی دھڑکن رکتی محسوس ہوگی۔ آپ کے سانس اوپر کے اوپر اور نیچے کے نیچے رہ جائیں گے۔ آپ بے اختیار اُن اللہ کو انھیں گے۔

○ انھیں ایک ایسا سفر کرنا پڑا جس کے بارے میں آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ آپ قطعاً کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اندازے کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے، یہ میرا دعویٰ ہے۔

○ ناول آنے سے پہلے آپ سوچ کر دکھا دیں۔ اندازہ لگا کر بتا دیں۔ آپ ضرور انعام کے حق دار ہوں گے۔

○ آپ جانتے ہی ہیں۔ میں دعوے کرنے کا عادی نہیں۔ اور آج کیا ہے تو پھر ضرور کسی بنیاد پر کیا ہوگا۔

○ دُہ بنیاد کیا ہے؟

○ یہی بات تو بتائی نہیں جاسکتی۔ جی ہاں!

○ اپنی نوعیت کا سب سے الگ تھلگ خاص نمبر۔

○ ضخامت قریباً سات سو صفحات۔

○ آج ہی اپنی کاپی محفوظ کروالیں۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ دسمبر کو پڑھیے | قیمت ۱۰ روپے

محمود، فاروق، فرزانہ اور انپکٹر جمشید سیریز کے

کالی آنکھ

— مصنف: اشتیاق احمد —

- ایک مختلف انداز کا ناول۔
- محمود اور فاروق نیشنل پارک میں موجود تھے۔
- ایک سوٹ کیس والا ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔
- دُہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔
- سوٹ کیس کا کیا چکر تھا۔
- کالی آنکھ سے ملے۔
- پہاڑی کنوئیں میں آپ کے کرداروں پر کیا بیٹی۔ ان پر
- دھوئیں کا بم پھینکا گیا۔
- ایک یادگار ناول۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ دسمبر کو پڑھیے قیمت ۱۰ روپے

محمود، فاروق، فرزانہ اور انپکٹر جمشید سیریز

آئندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ دسمبر کو پڑھیے قیمت ۱۰ روپے

آفتاب، آصف، فرحت اور انپکٹر کامران مرزا سیریز

بھیانک سازش

— مصنف : اشتیاق احمد —

- دس سال پرانا ناول جو ایک مدت سے ختم تھا
- بے شمار نئے قارئین اس کے لیے خط لکھ چکے ہیں
- اب نئے سرورق اور نئی آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے
- محمود، فاروق اور فرزانہ کی خطرناکیاں دیکھ کر آپ عجب عجب
- کر اٹھیں گے
- اور پھر ان کے شوخ و شنگ جملے بھی تو آپ کو مکرانے
- پر مجبور کریں گے
- آپ کے کردار مجرموں کی بھیانک سازش کو کیسے ختم کرتے
- ہیں، سازش کیا تھی؟ یہ حقیقت آپ کو ناول پڑھ کر معلوم ہوگی

— مصنف : اشتیاق احمد —

- آفتاب اور آصف کی ایک لڑکی کو بچانے کے لیے دو
- غڈوں سے جھڑپ
- وہ لڑکی کو لے کر گھر پہنچے تو وہاں حیرت کا سامنا کرنا پڑا
- شہر کے ایک دولت مند کی بیوی کے زیورات نقلی تھے،
- آخر کیوں؟
- زیورات کس نے تبدیل کیے تھے
- شہر میں زیورات تبدیل ہونے کا طوفان سا آگیا
- ایک سیاہ پوش انپکٹر کامران مرزا کے مکان کی چھت پر چڑھ
- رہا تھا — کیوں؟ حیرتوں کا طوفان لیے ایک نئی کہانی

آئندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ دسمبر کو پڑھیے قیمت ۱۰ روپے

متفرق سلسلہ ۶۷

سپر مشن سیریز ۲

سپر مشن

مصنف: سعید مختار

- حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی - ارارات کا پہاڑ - پہاڑ کی تصویر - طوفان نوح کے بارے میں دنیا کی مختلف تہذیبوں میں موجود قدیم کہانیاں - قدیم غاروں سے تصاویر - سورہ ہود - ارارات پر کشتی کے دیکھے جانے کے واقعات - قبل مسیح کی ایک تحریر - طوفان نوح کے موجودہ دور میں شواہد -
- سعید مختار کی سپر مشن کے بعد ایک اور دھماکا خیز کتاب -
- آپ نے اس قدر معلومات افزا اور چونکا دینے والی کتاب آج تک نہیں پڑھی ہوگی -
- آپ ہر ماہ سپر مشن سیریز کی ایک کتاب پڑھا کریں گے -

آئندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ دسمبر کو پڑھیے قیمت ۱۰ روپے

شوکی سیریز ۲

عجیب کیس

مصنف: اشتیاق احمد

- ایک شخص ان کے پاس ایک کیس لے کر آیا -
- اس کا کیس بہت عجیب تھا -
- اس شخص سے انھیں کچھ ملنے کی بھی امید نہیں تھی -
- لیکن اس کے باوجود وہ کیس کو ہاتھ میں لینے پر تیار ہو گئے -
- اس عجیب کیس نے انھیں نئی الجھنوں میں مبتلا کر دیا -
- شوکی اینڈ برادرز ایک عرصہ پہلے ہونے والے گھناؤنے جرم سے پردہ اٹھاتے ہیں -
- شوخیوں اور مکرانوں سے بھرپور ناول -

آئندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ دسمبر کو پڑھیے
قیمت ۱۸ روپے
ناول نمبر ۸۲

انسپکٹر ارسلان سیرینے

جرم کی کشتی

مصنف: آفتاب احمد

- منفرد انداز کا ناول -
- انسپکٹر ارسلان پارٹی مجرموں کی تلاش میں گھن چکر بن کر رہ گئی
- شیطانی دماغ کی کہانی -
- جرم کرنے والوں نے ایک انوکھا پروگرام بنایا -
- جرم کیا تھا؟
- آپ پڑھ کر حیران رہ جائیں گے -
- ناول کے آخری صفحات پڑھ کر آپ کے احساسات عجیب ہوں گے -
- عام ڈگر سے ہٹ کر ایک ناقابل فراموش ناول -

فہرست کی خوش خبری

- آپ عنوان پڑھ کر ضرور حیران ہوئے ہوں گے کہ بھلا فہرست کی بھی خوش خبری ہوتی ہے -
- جی ہاں! کیوں نہیں - ایک مدت بعد میں یہ خوش خبری سنانے کے قابل ہوا ہوں -
- اشتیاق پبلی کیشنز کی فہرست کتب میں آج سے پہلے وہ ناول شامل نہیں تھے جو مکتبہ اشتیاق سے کسی زمانے میں شائع ہوئے تھے -
- اب فہرست میں نہ صرف وہ ناول شامل کر دیے گئے ہیں، بلکہ ان ناولوں کی اشاعت کا پروگرام بھی شروع ہو چکا ہے، کیونکہ ان ناولوں کے حقوق بھی اب اشتیاق پبلی کیشنز نے خرید لیے ہیں -
- لہذا اب آپ کو جو فہرست کتب ملے گی، وہ مکمل ترین فہرست ہے -
- ہے نا خوش خبری والی بات -
- آپ ایک روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے منگوا سکتے ہیں - شکریہ!

آپ

کیا چاہتے ہیں

- نئی فہرست کتب آپ منگوا چکے۔ اگر نہیں تو پہلی فرصت میں منگوالیں۔
- اس پوری فہرست میں بہت سی کتب بالکل ختم ہیں۔
- آپ ان ختم شدہ ناولوں میں سے سب سے پہلے کون سا ناول پڑھنے کی شدید خواہش رکھتے ہیں۔
- جس ناول کے بارے میں سب سے زیادہ خطوط ملیں گے۔ اس ناول کی اشاعت کا انتظام فوراً کیا جائے گا۔
- آپ سب کو ایک ایک خط لکھنے کی دعوت۔

خوش خبری تصویر کی

- آپ کہیں گے۔ اس بار میں شاید خوش خبریاں سنانے پر تامل کیا ہوں۔
- چلیے خیر۔ یہ کوئی بُری بات تو نہیں۔
- اشتیاق پہلی کیشز نے وسیع پیمانے پر میری پاسپورٹ سائز رنگین تصاویر تیار کروا لی ہیں۔
- اس لیے کر آئے دن قارئین تصاویر منگواتے رہتے تھے۔ لیکن فوٹو گرافر کے ذریعے تیار کروائی گئی تصویر بہت منگنی پڑتی تھی۔ ہر قاری کو قریباً سات روپے ادا کرنا پڑتے تھے۔
- لیکن اب آپ میری تصویر صرف دو روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے منگوا سکتے ہیں۔
- وہ قارئین جو میری تصویر منگانے کے خواہش مند ہیں، یہ خوش خبری صرف ان کے لیے ہے۔
- بالکل نئی تصویر آپ ضرور دیکھنا چاہیں گے۔ اب میں پہلی تصویر کے مقابلے میں کیسا لگتا ہوں۔



اشتقاق احمد

کے سنی خیر، جھنگمہ آراہن ملاح اور بھائی سنی
سے بھر پور ناول

اس ماہ کے ناول

- | | | | | |
|------|-----------------|-----|-----|-----|
| ۲۸۴۔ | مفتی کی کون | ۱۸۔ | ۱۸۔ | ۱۸۔ |
| ۲۸۵۔ | مفتی بھر پور سے | ۱۹۔ | ۱۹۔ | ۱۹۔ |
| ۵۔ | اندھا انتقام | ۰۔ | ۰۔ | ۰۔ |
| ۶۔ | سانپ کی موت | ۱۰۔ | ۱۰۔ | ۱۰۔ |
| ۷۔ | خونی منٹو | ۱۱۔ | ۱۱۔ | ۱۱۔ |
| ۸۔ | جلی آبی | ۱۲۔ | ۱۲۔ | ۱۲۔ |
| ۹۔ | ارسلان کا منٹو | ۱۳۔ | ۱۳۔ | ۱۳۔ |

آئندہ ماہ کے ناول

- | | | | | |
|-----|----------------|-----|-----|-----|
| ۲۹۔ | پرتھوی کی دہلی | ۱۴۔ | ۱۴۔ | ۱۴۔ |
| ۳۰۔ | کالی آنکھ | ۱۵۔ | ۱۵۔ | ۱۵۔ |
| ۳۱۔ | بھیاں مارش | ۱۶۔ | ۱۶۔ | ۱۶۔ |
| ۳۲۔ | نہری مال | ۱۷۔ | ۱۷۔ | ۱۷۔ |
| ۳۳۔ | جلیب سکی | ۱۸۔ | ۱۸۔ | ۱۸۔ |
| ۳۴۔ | چمک شیب | ۱۹۔ | ۱۹۔ | ۱۹۔ |
| ۳۵۔ | فرم کی کشتی | ۲۰۔ | ۲۰۔ | ۲۰۔ |

اشتقاق پبلی کیشنز

۹/۱۱ نصیر آباد — منظم پورہ — ساندہ کلاں، لاہور۔ فون: ۳۲۱۵۳۷

برائچ آفس بازار لوہاراں — جھنگ صہ۔ فون: ۳۲۹۵